رجسٹرڈ ایل ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہین طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۰۳ء نمبر ۸

فہرست مضامین

عصمت انبیاء علیہم السلام ۲۹۳ + ۳۲۳

حضرت داؤد پر تہمت ۲۹۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر حملے ۳۰۲

اخبار اپی فینی ۳۲۸-۱

اور

مسلمانون کا اعتقاد دوزخ کے متعلق ۳۲۲

انجمن اشاعت اسلام قادیان نے انوار الاسلام پریس قادیان دارالامان مین باہتمام منشی محمد افضل احمدی

۲۰- اگست سنہ ۱۹۰۳ء کو چھپوا کر شائع کیا

چندہ سالانہ .... معمولی کاغذ پر ۴ .... اعلیٰ کاغذ پر ۵ ر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عصمت انبیاء پر پادری مانرو کے رسالے

گذشتہ اشاعت سے آگے

حضرت داؤد پر تہمت

پادریوں نے حضرت داؤد علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائی ہے اس کی اصلیت بائیبل کے جھوٹے قصوں میں ہو تو ہو لیکن قرآن کا ایک لفظ بھی اس بے بنیاد الزام کی تائید نہیں کرتا بلکہ صاف الفاظ میں اس جھوٹ کی تردید کرتا ہے اور محقق مفسرین اور محدثین بھی اسی نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ یہ محض جھوٹ ہے۔ چنانچہ فخر الدین رازی جو مفسرین میں سب سے بڑھکر مانے گئے ہیں تفسیر کبیر میں اس قصہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "مفسروں میں سے اکثر محققین نے اس قصہ کو مردود ٹھہرایا ہے اور اس پر کذب اور فساد کا حکم لگایا ہے" حضرت علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ ایسا جھوٹا الزام خدا کے ایک پاک نبی پر لگایا جاتا ہے تو انہوں نے خطبہ میں یہ فرمایا۔ من حدثکم بحدیث داؤد علی ما یرویہ القصاص جلدتہ مائۃ وستین وھو حد الفریۃ علی الانبیاء یعنی جو شخص حضرت داؤد کا قصہ اس طرح بیان کرے گا جس طرح قصہ کو لوگ بیان کرتے ہیں (یعنی ان پر زنا کی تہمت لگائیگا) میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے لگاؤنگا اور یہ انبیاء پر جھوٹی تہمت کی حد ہے"۔ یہاں حضرت علی نے نہ صرف اس قصہ کو جھوٹا ٹھہرایا ہے بلکہ اس کی حد عام مومنین پر تہمت کی حد سے دوگنی کردی ہے۔ چنانچہ خطبہ میں آپ نے یہی بیان فرمایا کہ جب عام مومن پر تہمت کی حد اسی کوڑے ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ نبی پر تہمت کے لئے دوگنی سزا نہ دیجاوے۔ حضرت علی کے اس خطبہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے قصے مسلمان محققین کے ذریعے اسلام میں نہیں آئے بلکہ جھوٹے قصہ گو ہی ان کے اصل مشتہر کرنے

والے تھے۔ اس لئے جو الزام حضرت داؤد پر لگایا جاتا ہے اس کی تردید کافی طور پر حضرت علی کے اس خطبہ اور مسلمان محقق مفسرین کی رائے سے ہی ہو جاتی ہے لیکن اس کے جھوٹ کو اور بھی واضح کرنے کے لئے ہم قرآن کریم کے اصل الفاظ پر بحث کرینگے اور دکھلائینگے کہ یہ قصہ گھڑنے مین کہان تک جھوٹ سے کام لیا گیا ہے۔ جن آیات کی بنا پر اعتراض کیا جاتا ہے وہ سورہ صٓ مین آئی ہین۔ اس قصہ کو سمجھنے کیلئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس کے اول و آخر پر غور کیا جاوے۔ چنانچہ آغاز مین اور آخر پر حضرت داؤد کی بہت ہی تعریف کی گئی ہے اور یہ خیال کرنا کہ ایسے تعریفی الفاظ کے درمیان کسی ایسے سخت جرم کا ذکر ہے جس کے متعلق تہمت لگائی گئی ہے۔ بڑے درجہ کی حماقت ہے:

چنانچہ شروع مین پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اصبر علےٰ ما یقولون واذکر عبدنا داؤد ذا الاید انہ اواب وشددنا ملکہ واتینٰہ الحکمۃ وفصل الخطاب "ان اذیتوں پر جو کفار کی طرف سے تجھے پہونچ رہی ہین) صبر کرو اور ہمارے بندہ داؤد کو یاد کرو جسکو ہم نے طاقت دی ہوئی تھی کیونکہ وہ ہماری طرف رجوع کرنے والا تھا۔ اور ہم نے اس کے ملک کو مضبوط کیا اور اس کو حکمت اور فصل خطاب عطا فرمایا" اس جگہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت ہے کہ جیسے طرح حضرت داؤد دکھوں اور تکلیفوں پر صبر کرتے رہے اسی طرح آپ بھی صبر کرتے رہین۔ اس سورہ کا مکی ہونا اس امر پر شاہد ہے کہ یہ زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بڑے بڑے مصائب کا زمانہ تھا اور کفار کی طرف سے آپ کو اس وقت طرح طرح کے دکھ اور تکلیفین پہونچ رہی تھین ان تکالیف کے وقت آنحضرت کو حکم ہوتا ہے کہ اسی طرح صبر سے ان کی برداشت کرو جس طرح حضرت داؤد ع نے صبر سے مصائب کی برداشت کی +

ہم اس بات پر زور نہین دینگے کہ پادری صاحبان ضرور پہلے رائی کے دانہ کے برابر ایمان حاصل کرین تو ہی ان کی سمجھ مین یہ بات آسکے گی کیونکہ انجیل کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ رائی کے دانہ کے برابر ایمان ان مین بالکل نہین لیکن اگر ان کے دماغ مین رائی کے دانہ کے برابر عقل ہو تو اس بات کا سمجھنا ان کے لئے چندان مشکل نہ ہوگا کہ اگر نعوذ باللہ حضرت داؤد ع کے کسی فسق کا ذکر آیت مذکور مین ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کس بات مین ان کی پیروی کرنے کے لئے حکم دیا گیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو یہ فرماتے ہین کہ زانی زناہ نہین کرتا درآنحالیکہ وہ مومن ہو اور نیز یہ کہ جو شخص کسی مسلمان کا ناحق خون کرنے مین کچھ بھی حصہ لیگا۔ وہ قیامت کے دن خدائے تعالےٰ کے سامنے اس حالت مین حاضر ہوگا کہ اس کی پیشانی پر "خدا کی رحمت سے ناامید" لکھا ہوا ہوگا۔ اور خدائے تعالےٰ آپ کو اس شخص کی پیروی کا حکم دیتا ہے جس کے متعلق ساتھ ہی یہ ذکر ہے کہ

اس نے نعوذ باللہ زنا کیا اور ایک مومن کو اس کی عورت چھیننے کے لئے ناحق قتل کرایا۔ پھر علاوہ ازین آنحضرت کے سامنے کس طرح وہ شخص صبر کے لئے نمونہ پیش کیا جا سکتا ہے جو اپنی شہوانی خواہشات کو بھی نہین روک سکتا۔ ایسے شخص سے صبر کی امید کیا ہو سکتی ہے۔ پھر ایک اور امر قابل غور ہے کہ حضرت داؤد کو اللہ تعالیٰ ان الفاظ مین یاد فرماتا ہے کہ وہ ہمارا خاص بندہ ہے اور اس کو **عبدنا** کے عزت کے خطاب سے پکارتا ہے۔ گویا اس لفظ مین حضرت داؤد ؑ کی کمال عبودیت کا اظہار فرماتا ہے اور اس پاک اور خالص تعلق کو ظاہر کرتا ہے جو حضرت داؤد کو جناب الٰہی سے حاصل ہے ایسی تعریف کے ذکر کے ساتھ زنا اور قتل جیسے قبیح جرایم کا ذکر ایک احمقانہ خیال ہے۔ خدا کا پاک کلام ایسی بیہودگیون سے پاک ہے۔ سورہ فرقان مین اللہ تعالیٰ عباد الرحمٰن کی صفات بیان فرماتا ہے اور دوسری صفات کے ساتھ یہ بھی بیان فرماتا ہے کہ وہ زنا نہین کرتے اور نہ ناحق خون ہی کرتے ہین۔ پھر غور کرو کہ حضرت داؤد ؑ کو خدائے تعالےٰ **ذوالاید** بیان فرماتا ہے۔ یعنی صاحب طاقت۔ طاقت سے مراد صرف جسمانی یا دنیوی طاقت ہی نہین۔ کیونکہ حضرت داؤد ؑ کی دنیوی طاقت کو آگے الگ ان الفاظ مین بھی بیان فرمایا ہے **وشددنا ملکہ** یعنی ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور علاوہ ازین دنیوی طاقت مومنین کے ساتھ مخصوص نہین بلکہ کفار کو بھی دی جاتی ہے۔ اس لئے اس جگہ صاحب طاقت بیان کرنے سے بالخصوص ان کی روحانی طاقت کا ذکر مقصود ہے۔ یعنی وہ طاقت جو انسان کو بدی کی کشش کے مقابلہ کے لئے دی جاتی ہے اور یہی وہ روحانی طاقت ہے جس کی وجہ سے حضرت داؤد ؑ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے صبر کا نمونہ بیان فرمایا۔ اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے مطابق حضرت داؤد کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طاقت دی گئی تھی کہ وہ اس احکام کے مطابق چلین اور اس کی راہ سے باہر ایک قدم بھی نہ رکھین انھیں معنون کی تائید لفظ **اوّاب** سے بھی ہوتی ہے جو ساتھ ہی واقع ہوا ہے۔ کیونکہ **اوّاب** مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی بہت ہی خدا کی طرف رجوع کرنے والا۔ اس لئے جہان ایک طرف اللہ تعالےٰ نے یہ بیان فرمایا کہ حضرت داؤد کو عظیم الشان روحانی طاقت دی گئی تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی بیان فرماتا ہے کہ وہ ہمیشہ خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے یعنی ہر معاملہ مین خدا کی فرمانبرداری کو اختیار کرتے تھے۔ ایسے آدمی کی طرف زنا اور قتل کو منسوب کرنا اور پھر یہ کہنا کہ یہ قصہ مذکور بھی اسی آیت مین ہے جس مین اس کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ پرلے درجہ کی بیہودگی نہین تو کیا ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ یہ بھی بیان فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت داؤد ؑ کو حکمت عطا فرمائی تھی اور خود ہی قرآن شریف مین حکمت کے معنے بیان فرماتا ہے کہ **ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا**

یعنی جس کو حکمت دیجاوے اس کو خیر کثیر دیا جاتا ہے +

یہ اعلےٰ درجہ کے اوصاف اس شخص کے بیان کئے گئے ہین جس کے متعلق پادری صاحبان یہ کہتے ہین۔ کہ اس سے اگلی ہی آیت مین اس کے سیاہ کبائر کا ذکر ہے قبل اس کے جو ہم ان آیات کے الفاظ پر غور کرین جن کی بنا پر یہ بہتان حضرت داؤد پر باندھا جاتا ہے۔ ہم یہ بھی دیکھنا چاہتے ہین کہ ان آیات کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت داؤد ؑ کا ذکر کن الفاظ مین کرتا ہے۔ قصّہ کو ختم کرنے کے بعد سب سے پہلے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ان لہ عندنا لزلفےٰ وحسن مآب "اور داؤد ؑ کو ہمارے حضور قرب حاصل تھا اور اچھا رجوع کرنا" اب کیونکر ممکن ہے کہ ایک طرف تو ابھی ایک شخص کے زنا اور خونریزی کا قصّہ ختم نہین ہوا اور دوسری طرف اس کی تعریف ان الفاظ مین شروع ہو جائے کہ اس کو جناب الٰہی مین بڑا قرب حاصل تھا۔ قصّہ کے عین اختتام پر ان الفاظ کا آنا صاف بتاتا ہے کہ قصّہ مین کوئی ایسا ہی امر مذکور ہے جس سے حضرت داؤد ؑ کی استقامت اور اسکا قرب بارگاہ الٰہی مین ثابت ہوتا ہے۔ ورنہ کوئی اور نظیر بھی قرآن شریف مین ہونی چاہئے کہ جہان فاسقوں کے کبائر کا ذکر کرتے ہوئے خدائے تعالےٰ نے یہ بھی فرمایا ہو کہ ان کو ہماری جناب مین قرب حاصل تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ دونون خیال ایک دوسرے کے متضاد ہین اور ایک کے ساتھ دوسرا جمع ہی نہین ہو سکتا۔ پھر قرآن شریف جیسی فصیح بلیغ کتاب کی طرف ایسے متضاد خیالات کو منسوب کرنا پادریون کی اپنی حماقت ہی۔ جو شخص زنا جیسے شیطانی فعل کا مرتکب ہو کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اس کو خدا کے حضور قرب حاصل ہی۔ ایسے فعل سے وہ شیطان کی طرف پھرتا اور شیطان کے نزدیک ہوتا اور خدائے تعالےٰ سے دور ہوتا ہے اور پھر اور بھی تعجب کی بات یہ ہے کہ اس کے بعد ہی خدائے تعالےٰ حضرت داؤد ؑ کو کہتا ہے کہ اے داؤد ہم تجھے زمین پر اپنا خلیفہ بناتے ہین۔ اگر نعوذ باللہ حضرت داؤد پر یہ تہمت سچی ہے تو یہ خوب بدلہ ہے کہ ادہر تو ایک شخص نفسانی خواہشون کے تابع تمام انسانی حقوق سے اندھا ہو کر زنا اور خون ناحق کا مرتکب ہوتا ہے اور ادہر اسے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ لو اب ہم تمہین اپنا خلیفہ بنا کر انسانی حقوق کا محافظ ٹھہراتے ہین۔ کیا خدائے تعالےٰ کو حضرت داؤد ؑ کا یہ فعل بہت ہی پسند آیا تھا یا اس کے سوائے زمین پر اور کوئی خلافت کے قابل ہی معلوم نہ ہوا۔ اس قسم کی بیہودگیوں سے معترضین کو شرم کرنی چاہئے۔ اگر ایک عیسائی کے اندر بھی یہ سچی خواہش ہو کہ وہ سچائی کو معلوم کرے اور اسی کو اختیار کرے تو اس قدر مضبوط دلائل موجود ہین کہ جن سے انکار کی گنجایش ہی نہین۔ لیکن ان لوگون کے مد نظر صرف دنیا ہی دنیا ہے اور اس سچے اور زندہ خدا کو چھوڑ کر جھوٹے سے پیار کرتے ہین۔ ہم نے صفائی سے ثابت

کر دیا ہے کہ جس آیت کی بنا پر حضرت داؤد پر جھوٹا الزام لگایا جاتا ہے اس سے پہلی اور پچھلی آیات اس قصہ کی سخت تردید کرتی اور اس کو جھوٹا ٹھہراتی ہیں اب اصل الفاظ پر غور کرنا باقی ہے +

اللہ تعالے فرماتا ہے وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۝ إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ۝ يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ۔

ترجمہ۔ اور کیا پہونچی ہے تیرے پاس (داؤد کے) دشمنوں کی خبر جب وہ دیوار پھاند کر عبادتخانے میں آ گئے۔ جب وہ داؤد کے پاس آئے تو وہ ان سے ڈر گیا۔ وہ کہنے لگے مت ڈر ہم تو صرف دو فریق مقدمہ ہیں اور ہم میں سے بعض نے بعض پر زیادتی کی ہے سو ہم میں.... انصاف کا فیصلہ کر دے اور بات کو دور نہ ڈال اور ہم کو سیدھی راہ (اس معاملہ میں) بتا دے۔ (پھر ایک بولا) یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے پھر بھی یہ کہتا ہے کہ وہ ایک بھی میرے ہی حوالے کر دے اور اس بات کے کہنے میں مجھ سے زبردستی کرتا ہے۔ حضرت داؤد نے کہا کہ اس طرح جو تیری دُنبی کو بھی اپنی دنبیوں میں ملا لینے کے واسطے مانگنے میں یہ نا انصافی کرتا ہے اور حق بات یہ ہے کہ اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کئے مگر ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں اور داؤد نے سمجھ لیا کہ ہم نے اس کو فتنہ میں ڈالا ہے۔ سو اس نے خدا کی حفاظت طلب کی اور خدا کے آگے جھک کر گر گیا۔ اور خدا کی طرف رجوع کیا۔ سو ہم نے اس کو حفاظت دی اور اس کے لئے ہمارے حضور میں قرب ہے۔ اور اچھا ٹھکانہ۔ اے داؤد ہم تجھ کو اس ملک میں خلیفہ بناتے ہیں؛ اب اس سارے قصے میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے صراحتاً یا کنایۃً یہ نتیجہ نکل سکے کہ حضرت داؤد نے نعوذ باللہ اوریا کو قتل کیا اور اس کی جورو سے زنا کیا۔ کسقدر افسوس کی بات ہے کہ کفارہ کی من گھڑت کو قائم رکھنے کے لئے عیسائی لوگ اپنے خداوند کے دادا کی بے ادبی سے بھی باز نہیں آتے۔ یہ ایک جھوٹے عقیدے

سے گندے لوازم ہین۔ قرآن شریف کے الفاظ کا لفظی ترجمہ جو اوپر دیا گیا ہے پادریون کو جو خدا کے ایک پاک نبی پر کمینہ تہمتین لگاتے ہین جھوٹے ٹھہراتا ہے۔ قرآن شریف جس قصہ کو بیان کرتا ہے وہ صرف اسقدر ہے کہ حضرت داؤد کے دشمن کسی بدارادہ کے ساتھ دیوارین پھاند کر آ گئے تھے لیکن حضرت داؤدؑ کو جاگتا پاکر وہ اپنے بدارادہ کو تو پورا نہ کر سکے اور اپنے بچاؤ کے لئے یہ بہانہ پیش کر دیا کہ ہم ایک مقدمہ لیکر آئے ہین جس کا فیصلہ آپ اسی وقت کردین۔ حضرت داؤد نے جب دیکھا کہ اس کے دشمن اس طرح اس کی جان کے درپے ہین تو آپ نے سمجھ لیا کہ سوائے حفاظت الٰہی کے اور کسی طرح ان کے ہاتھ سے بچنا مشکل ہے اور اسی لئے خدا سے دعا کی کہ تو ہی میری حفاظت کر۔ اور چونکہ وہ خدا کے نزدیک بڑے مقرب اور بہت اس کی طرف رجوع کرنیوالے تھے اس لئے اللہ تعالےٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور تمام خطرات کو دور کر دیا اور اس ملک مین انہین خلیفہ بنا دیا۔ محقق مفسرین نے اسی روایت کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر مین اس آیت کے نیچے لکھتے ہین۔ "یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت داؤد کے دشمنون کی ایک جماعت آپ کے قتل کے درپے تھی اور آپ نے تنہائی مین عبادت کے لئے ایک دن علیحدہ کیا ہوا تھا۔ دشمنون نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور ایک شرارت کا منصوبہ پورا کرنے کے لئے دیوارین پھاند کر عین اس جگہ پر پہونچ گئے جہان حضرت داؤد تنہا تھے لیکن وہان پہونچنے پر انہون نے پہرے والونکو موجود پایا اور اس لئے اس خوف سے کہ وہ گرفتار کیے جاوینگے ایک جھوٹ بنا کر حضرت داؤد کے سامنے پیش کر دیا۔" آیت کا سیاق و سباق اور دوسرے تمام واقعات انہین معنون کی سچائی پر دلالت کرتے ہین +

یہ قصہ کہ جو لوگ دیوار پھاند کر آئے تھے وہ حضرت داؤد کے دشمن نہین تھے بلکہ فرشتے تھے جو حضرت داؤد کو ان کی جورو کے معاملہ مین تنبیہ کرنے آئے تھے۔ قرآن شریف کے الفاظ کو مدنظر رکھکر صحیح تسلیم نہین کیا جا سکتا۔ ایک لفظ بھی ایسا نہین جس سے معلوم ہو سکے کہ وہ فرشتے تھے۔ برعکس اس کے ان کا دیوار پھاند کر آنا اور دروازون مین سے گذر کر نہ آنا یا کسی اور خارق عادت طریق سے ظاہر نہ ہونا یقینی طور سے اس نتیجہ پر پہونچاتا ہے۔ کہ نہ تو وہ درحقیقت فریق مقدمہ تھے جیسا انہون نے بیان کیا ہے اور نہ فرشتے تھے۔ بلکہ داؤد کو قتل کرنیکا منصوبہ کر کے آئے تھے اور یہ سمجھکر کہ اس وقت وہ اکیلا اپنی عبادت گاہ مین ہوگا۔ دیوار پھاند کر اندر آ گئے کیونکہ سیدھے راستے سے آنے مین باہر کے دروازون کے پہرے والے ان کو روک دیتے۔ علاوہ ازین اگر وہ فرشتے ہوتے تو وہ جھوٹ نہ بولتے اور یہ نہ کہتے کہ ہم دو فریق مقدمہ ہین۔ اگر حضرت داؤد دا قعی

کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تھے تو کیا خدا کسی اور طریق سے ان کو اسکا احساس نہ دلا سکتا تھا اور کیا حضرت داؤد کا اپنا احساس گناہ کا اس قدر جاتا رہا تھا۔ اور وہ ایسا سخت دل ہو گیا تھا کہ ایسے قبیح جرائم کا مرتکب ہو کر جیسے کہ زنا اور قتل ہیں پھر بھی اسے پتہ نہ لگا کہ مین نے خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کام کیا ہے اور جب تک دو فرشتے جھوٹ نہ بولتے اس کو پتہ ہی نہ لگ سکتا تھا۔ کہ مین نے کوئی گناہ کیا ہے۔ اس لئے ایسا خیال کرنے مین صرف خدا کے ایک پاک نبی پر ہی جھوٹی تہمت نہین لگائی جاتی۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کے فرشتون کو بھی جھوٹے ماننا پڑتا ہے۔ علاوہ ازین اگر حضرت داؤد واقعی ایسے گناہ کے مرتکب ہوئے ہوتے جس سے وہ خدائی اور انسانی حقوق کو توڑ چکے تھے تو فیصلہ دیتے وقت یہ الفاظ ان کے منہ سے کیونکر نکل سکتے تھے کہ بہت سارے شریک ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہین۔ سوائے ان لوگون کے جو ایمان لائے اور جو عمل نیک کرتے ہین۔ بظاہر وہ اپنے آپ کو مومن اور عمل صالح کرنے والے سمجھتے ہین اور اس لئے وہ ان لوگون مین سے نہین ہو سکتے جو اپنے قریبیون پر یا ہمسائیون پر یا دوسرے لوگون پر کسی قسم کا ظلم روا رکھتے ہون۔ اب جب حضرت داؤد اپنے آپ کو ان لوگون مین سے بھی نہین سمجھتے جو دوسرون پر چھوٹے سے چھوٹا ظلم بھی کر سکین۔ تو یہ کس قدر بیہودگی ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ خود نہ صرف مال پر ہی ظلم کر چکے تھے بلکہ پاکدامنی پر اور جان پر بھی حملہ کر چکے تھے کیا کوئی شخص ایسی جرأت کر سکتا ہے کہ دوسرے کو تو اتنے ظلم پر بھی سخت تنبیہ کرے کہ اس نے کسی کی بکری کیون لی۔ اور خود ایک آدمی کو جان سے مار کر اس کی عورت کو چھین لے۔ اگر واقعی حضرت داؤد ایسا کر چکے ہوتے تو بجائے اس کے کہ اپنے آپ کو ان لوگون سے مستثنیٰ کرتے جو لوگون کے حقوق چھین لیتے ہین ان کو چاہیئے تھا کہ اپنے آپ کو ایسے ظالمون مین سے سب سے بڑھکر سمجھتے۔ علاوہ ازین اللہ تعالےٰ کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمانا کہ دشمن جو دکھ دیتے ہین ان پر اسی طرح صبر کر جس طرح داؤد نے اپنے دشمنون کی تکلیفون پر صبر کیا بیمعنی ہو جاتا ہے۔ اگر بجائے صبر کے حضرت داؤد کے کامون مین سے نمونہ وہ پیش کیا جاوے جو ایک سخت گناہ ہے۔ صبر کا نمونہ اسی صورت مین ہو سکتا ہے کہ وہ معنی لئے جاوین جو اوپر بیان کئے گئے ہین کیونکہ اس صورت مین حضرت داؤد اپنے ان دشمنون کو بھی معاف کرتے ہین جو قتل کا منصوبہ کر کے اچانک ان پر آن پڑے تھے۔ باوجود صاحب طاقت اور ملک ہونے کے آپ نے ان سے وہ سلوک نہ کیا جس کے وہ مستحق تھے بلکہ ان کو معاف کیا اور خود جناب الٰہی سے پناہ مانگی۔ وہ چاہتے تو ان کو مار ڈالتے لیکن انہون نے اپنی طاقت پر بھروسہ نکر کے جناب الٰہی سے حفاظت طلب کی

کیونکہ سچی حفاظت وہی ہے جو خدا کی طرف سے ملتی ہے یہ فقرات کہ ظن داؤد انما فتنہ اور فاستغفر
ربہ کسی سمجھدار آدمی کو اس نتیجہ پر نہین پہونچا سکتے کہ حضرت داؤد کسی ایسے گناہ کے مرتکب ہوئے تھے
جیسا ان پر الزام لگایا جاتا ہے - پہلے فقرہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضرت داؤد سمجھ گئے کہ ان کی زندگی بڑے
خطرے کی حالت مین پڑ گئی تھی - اور دوسرے کے معنے یہ ہین کہ انہون نے اپنے رب سے حفاظت طلب کی ۔

حضرت داؤد کے متعلق یہ جھوٹی کہانیان کیونکر مشہور ہوگئین اس کے متعلق چند الفاظ کافی ہون گے -
طاقت اور سلطنت جو حضرت داؤد اور سلیمان کو حاصل تھی سلیمان کے بیٹے کے نیچے اس مین سخت ضعف
آگیا - جو یہودی اس کی حکومت سے آزاد ہو گئے ان کے دلون مین پہلے اس کے متعلق اور پھر حضرت سلیمان
اور داؤد کے متعلق نفرت بڑھتی گئی - مرور زمانہ سے یہ نفرت دل مین جمتی گئی اور زیادہ مضبوط ہوتی گئی اور
اس لئے جھوٹے قصے ان کی نسبت مشہور ہونے شروع ہو گئے اور بالآخر ایسے ایسے قصے مشہور کئے گئے
جو ان کی نبوت کے منافی تھے - چنانچہ حضرت سلیمان پر کفر اور بت پرستی کا الزام لگایا گیا اور اس لئے قرآن
شریف کو اس الزام کی تردید کے لئے یہ ضرورت پڑی کہ بیان کرے کہ سلیمان نے کفر نہین کیا ورنہ اس بات
کے کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ حضرت مسیح کے متعلق بھی ایک الزام کی ہی تردید
کے لئے قرآن شریف کو یہ کہنا پڑا کہ اس کی روح شیطانی نہین بلکہ خدا کی طرف سے ہے - کیونکہ حضرت
مسیح اور ان کی والدہ پر بھی یہود نے بڑے ناپاک الزام لگائے تھے ایسے ہی جیسے کہ آج کل کے عیسائی
دوسرے انبیاء پر لگاتے ہین - اس لئے اللہ تعالےٰ نے ان الزامات کی تردید کی - اور جیسا کہ سلیمان کے
متعلق کہا کہ وہ کافر نہین تھا اسی طرح پر مسیح کے متعلق فرمایا کہ اس کی روح شیطانی نہین - بلکہ خدا کی طرف
سے ہے - ہر دو نبیون کی صورت مین اس قسم کے بیان کی ضرورت نہ پڑتی - اگر دشمنون کے ان ناپاک حملون کا
جواب مقصود نہ ہوتا کیونکہ جب سلیمان کے متعلق کفر کی نفی کی تو اس سے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ باقی نبیون نے کفر کیا تھا -
ایسا ہی جب مسیح کے متعلق یہ کہا کہ اس کی روح خدا کی طرف سے ہے تو اس سے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ باقی نبیون
کی روح خدا کی طرف سے نہین - بلکہ دونون صورتون مین رد الزام مقصود ہے غرض حضرت داؤد اور سلیمان
کے متعلق ایسی ایسی جھوٹی کہانیان شایع ہونی شروع ہوگئین - اور آخرکار قومی اعتقاد کا جزو ہوگئین جب
اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو یہودی بھی بکثرت اسلام مین داخل ہوئے اور
جس طرح یہ کہانیان ان مین علی العموم مشہور تھین اسی طرح بعد اسلام کے بھی چلی آئین - ان قصون کے

زیادہ اسلام میں پھیل جانے پر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو یہ ضرورت پڑی کہ وہ صاف طور پر اس امر کا اعلان کردیں کہ جو شخص حضرت داؤد کی نسبت ایسا جھوٹا قصہ بیان کرے گا اس پر جھوٹی تہمت کی دوگنی حد لگائی جاوے گی۔ لیکن جوں جوں یہودی اسلام میں زیادہ داخل ہوتے گئے اور مرور زمانہ کے سبب سے اسلام کے پاک اصولوں پر اس مضبوطی سے قیام نہ رہا۔ جیسا کہ ابتدائی زمانہ اسلام میں تھا۔ یہ قصے بھی زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔ یہانتک کہ کسی مفسر نے بے احتیاطی سے ان کو تفسیروں میں بھی داخل کردیا لیکن ہم ثابت کرچکے ہیں کہ قرآن کریم کے الفاظ ان کا سیاق و سباق۔ محقق مفسرین کی رائے اور حضرت علی کا اعلان حضرت داؤد کے متعلق اس الزام کو سیاہ جھوٹ ٹھہراتے ہیں +

یہ تو حضرت داؤد کا قصہ ہے لیکن انجیلوں میں حضرت مسیح کے متعلق ایک فاحشہ عورت کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ اور ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ پادری صاحبان انجیل کے حرف حرف کو سچا اور الہامی مان کر حضرت مسیح کی عصمت کو کیونکر ثابت کرسکتے ہیں۔ حضرت مسیح نے ایک کنجری سے تیل ملوایا اور تیل بھی وہ جو اس کی زنا کی کمائی کا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باوجود شباب کے اور بن بیاہا ہونے کے مسیح ایسی عورتوں کے ساتھ کھلے طور سے ملتا جلتا تھا جن کا چال چلن نہ صرف مشتبہ تھا بلکہ جو شہرت یافتہ بدکار عورتیں تھیں اور اس کا تعلق اس قسم کا تھا کہ وہ ایک موقعہ پر ان بدکار عورتوں کی تعریف بھی کرتا ہے دیکھو لوقا ۷ اور متی ۲۱-۳۱ اگر اس قسم کا کوئی واقعہ حضرت داؤد کے متعلق یا دوسرے کسی نبی کے متعلق قرآن شریف میں ہوتا تو پادری بہت ہی خوش ہوتے لیکن یہ اپنی آنکھ کا شہتیر ان کی نظر سے پنہان ہے۔ اگر یہ واقعات جو انجیلوں میں یسوع کی نسبت مذکور ہیں کسی دوسرے نبی کے متعلق ہوتے تو کوئی ماترو اور فلندر مضمون پر مضمون لکھتے کہ فلاں نبی فلاں گناہ کا مرتکب ہے لیکن جب یسوع کے متعلق اس قسم کے واقعات پائیں تو پھر تاویل کا دروازہ کھل جاتا ہے اور انہیں واقعات سے جو دوسرے نبیوں کی صورت میں گناہ بتائے جاتے ہیں مسیح کی صورت میں بڑے بڑے نصائح اور اخلاقی سبق عیسائیوں کے لئے نکالے جاتے ہیں۔ پادریوں کی یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ ایک طرف تو ہمیں کہا جاتا ہے کہ چونکہ حضرت داؤد نے بذریعہ استغفار حفاظت الٰہی طلب کی اس لئے وہ نعوذ باللہ زنا کا مرتکب ہوا تھا اور دوسری طرف یہ کہ چونکہ مسیح کنجریوں اور بدکار عورتوں کے ساتھ ملا جلا رہتا تھا اس واسطے وہ پاکباز ہے۔ راستبازی کے دشمن اور نبیوں کو گالیاں دینے والے ان پادریوں سے بڑھکر دنیا

مین کبھی پیدا نہین ہوئے - وہ اپنے دلون کو پاک کرنا تو جانتے ہی نہین مگر راستبازون کے دلون کی پاکیزگی کو بھی وہ ناپاکی سمجھتے ہین +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر حملے

پادری مانرو قرآن شریف کے ؂ دو مقامات پیش کرتا ہے جہان اس کے نزدیک آنحضرت کے کسی ایسے فعل کی طرف اشارہ ہے جس کو گناہ کہا جاسکتا ہے ان مین سے پہلا مقام سورہ احزاب مین ہے - چنانچہ اس سورت مین سے ایک آیت کے ایک حصہ کا ترجمہ نقل کرکے پادری مانرو بڑی جرأت سے کہتا ہے "کیا اس کا یہ مطلب نہین کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالے نے اس گناہ کے لئے سرزنش کی کہ وہ کیون لوگون سے ڈرے" لیکن اس آیت مین جس کا وہ حوالہ دیتا ہے وہ ایک لفظ بھی ایسا نہین دکھا سکتا جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت لوگون سے ان معنون مین ڈرتے تھے جن معنون مین خدا سے ڈرنا چاہیئے - یا یہ کہ وہ خدا سے نہین ڈرتے تھے - یا یہ کہ وہ اس طرح پر ڈرنے مین کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تھے - چنانچہ وہ آیت ہم یہان نقل کرتے ہین - واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسك علیك زوجك واتق اللہ وتخفی فی نفسك ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ فلما قضی زید منہا وطرًا زوجنٰکہا لکیلا یکون علے المؤمنین حرج فی ازواج ادعیاٰئہم اذا قضوا منہن وطرًا وکان امر اللہ مفعولا ہ

ترجمہ - اور جب تونے کہا اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان کیا اور جس پر تونے بھی احسان کیا اپنی بیوی کو طلاق مت دے اور خدا سے ڈر اور تو اپنے دل مین ایک چیز کو چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور تو لوگون سے ڈرتا تھا اور اللہ زیادہ حقدار ہے اس بات کا کہ تو اس سے ڈرے - پھر جب زید

؂ اسکے علاوہ جن چار مقامات کا ذکر پادری مانرو کرتا ہی انپر علیحدہ استغفار اور ذنب کے نیچے بحث کیگئی ہی کیونکہ انسے پادری صاحب عام طور پر گنہگار ہونا نکالتے ہین اور ان دو مقامات کیطرح وہان کسی خاص گناہ کا ذکر نہین بتاتے +

اس عورت سے اپنی غرض پوری کر چکا تو ہم نے اسے تیرے نکاح مین دیدیا تاکہ مسلمانون کے لئے اپنے لے پالکون کی جورؤون سے جب وہ انھین طلاق دیدین نکاح کر لینا کوئی گناہ نہ ہے اور خدا کا امر اسی طرح پر ہونا تھا؟ اب کسی پہلو سے سوچا جاوے خدا کے سوائے کسی اور چیز سے ڈرنا کسیصورت مین گناہ نہین کہلا سکتا۔ پادری مانرو کو چاہئے تھا کہ اپنے دعوے کی تائید مین قرآن شریف کی کوئی آیت پیش کرتا۔ حضرت موسے مصریون سے ڈر کر مدین کو بھاگ گئے مگر کہیا کہین سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کرنے مین وہ خدا کے گنہگار تھے۔ پھر جب اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق حضرت موسےٰ نے اپنا عصا پھینکا اور وہ سانپ بن گیا تو اس وقت بھی موسےٰ ڈرے۔ لیکن یہ کہین نہین لکھا کہ وہ ایسا کرنے مین کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تھے۔ پھر ایک اور امر قابل غور ہے کہ جب حضرت موسےٰ اور ساحرین کا مقابلہ ہوا۔ اور ان کی رسیان وغیرہ لوگون کی نظر مین سانپ دکھائی دینے لگین۔ تو حضرت موسےٰ کی نسبت خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ فَاَوْجَسَ فِی نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی یعنی موسےٰ اپنے دل مین ڈرے۔ لیکن باوجود اس کے کہین خدا نے حضرت موسےٰ کو سرزنش نہین کی کہ وہ کیون ڈرا یا کہین یہ نہین کہا کہ اس نے گناہ کیا۔ اسی طرح اور بہت سی مثالین بائیبل سے پیش کی جا سکتی ہین۔ جن سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس قسم کا ڈرنا کوئی گناہ نہین ہے۔ اگر عقل کے رو سے دیکھا جائے تو بھی اس طرح پر ڈرنا گناہ نہین ہے۔ ڈر انسان کی فطرت مین رکھا ہوا ہے اور کسی خوفناک نظارہ کو دیکھکر فطرتاً انسان ڈر جاتا ہے۔ لیکن اس طرح پر ڈرنے سے یہ نہین کہ انسان کو خدا کا ڈر نہین رہتا خدا کا ڈر ایک الگ چیز ہے۔ جس کے سبب سے انسان اس کی مرضی کی راہون مین چلتا ہے۔ اور اس کی فرمانبرداری کے طریق کو اختیار کرتا ہے اور اس کی نافرمانی کو ایک بھسم کرنیوالی آگ سمجھہ لیتا ہے ان معنون مین خدا کے پاک نبی اللہ تعالےٰ سے ڈرتے ہین اور ان معنون مین سوائے خدا کے اور کسی چیز سے نہین ڈرتے۔ چنانچہ سورہ احزاب کی اس آیت سے مابعد کی آیت جسپر پادری مانرو اعتراض کرتا ہے اس طرح پر ہے۔ اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ یعنی جو لوگ خدا کے پیغام پہونچاتے ہین اور خدا سے ہی ڈرتے ہین اور سوائے خدا کے کسی سے نہین ڈرتے۔ یہان تمام انبیاء کی نسبت صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ ان سب کو خدا نے ایسا بنایا ہے کہ وہ سوائے خدا کے کبھی کسی سے نہین ڈرتے۔ اور اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس وجہ سے کہ وہ بھی انبیاء

بین سے ہین بلکہ بموجب قرآن شریف کے سب سے افضل ہین لوگون سے ڈرنے ہین خدا کے گنہگار نہین ہوسکتے کیونکہ جن معنون مین خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ ان معنون مین تمام انبیاء خدا کے سوائے کسی سے ڈرتے ہی نہین۔ اب پادری مارز وصاحب اگر چاہتے تو ان الفاظ کو قرآن شریف مین عین اسی موقعہ پر پڑھ سکتے تھے جہان ان کو چند الفاظ اعتراض کرنے کے لئے نظر آگئے تھے۔ لیکن تعصب کا پردہ ان کی آنکھ پر پڑا رہا اور اس لئے ان کو یہ لفظ نظر نہ آئے۔ انبیاء کی یہ تعریف بتاتی ہے۔ کہ حضرت موسےٰ کا ڈرنا یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ڈرنا یا کسی دوسرے نبی کا ڈرنا ان کے خدا کے ڈر کے کسی طرح متضاد نہین ہے کیونکہ ایسے موقعہ پر دراصل یہ لفظ الگ معنون مین استعمال ہوتا ہے۔ نہ صرف انبیاء کی نسبت ہی قرآن شریف یہ کہتا ہے کہ وہ سوائے خدا کے کسی سے نہین ڈرتے بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی نسبت بھی فرماتا ہے کہ لا یخافون لومۃ لائم کہ وہ کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہین ڈرتے پس جب آنحضرتؐ کے صحابہ کا یہ حال ہے کہ وہ خدا کی راہ مین خدا کے سوا کسی سے نہین ڈرتے تو آنحضرتؐ جو ان کے لئے رہبر تھے کس طرح پر خدا کی راہ مین لوگون سے ڈر سکتے تھے ؛

اس فقرہ یعنی تخشی الناس کے اصلی معنے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ زید اور زینب کے نکاح اور طلاق کے متعلق تمام واقعات پر غور کرکے نظر کی جاوے سب سے پہلی آیت جس سے یہ ذکر شروع ہوتا ہے سورہ احزاب مین اس طرح پر آئی ہے وما کان لمومن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لہم الخیرۃ من امرہم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا ۔ ترجمہ۔ اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو نہین چاہیے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ایک امر کا فیصلہ کردین تو پھر ان کو اس امر (کے کرنے یا نہ کرنے) مین اختیار رہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا وہ سخت گمراہی مین پڑ گیا۔ اس آیت کے شان نزول مین علامہ سیوطی لباب النقول فی شان النزول مین کہتے ہین کہ طبرانی نے سند صحیح سے قتادہ سے یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کے نکاح کے لئے درخواست کی اور آپ کا ارادہ زید کے ساتھ نکاح کرنے کا تھا۔ زینب نے سمجھا کہ آپ کا منشاء اپنے واسطے ہی لیکن جب اس کو پتہ لگا کہ آپ کا ارادہ زید کے ساتھ اس کا نکاح کرنے کا ہے تو اس نے انکار کیا پس آنحضرت پر یہ وحی نازل ہوئی وما کان لمومن الآیہ پس وہ راضی ہوگئی اور

آنحضرت کا حکم مان لیا - پھر اسی کتاب مین علامہ موصوف لکھتے ہین کہ ابن جریر نے عکرمہ کے طریق سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کی زید بن حارثہ کے کے ساتھ شادی کے لئے درخواست کی - زینب نے اس سے کنارہ کیا اور کہا کہ مین اس سے اچھی ہون ازروئے حسب کے - تب خدا تعالےٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی وَمَا کَانَ لِمُؤمِنٍ الایہ اور ابن جریر نے عوفی کے طریق سے ابن عباس سے اسی طرح پر روایت کی ہے +

ان متفق روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے زینب کے زید کے ساتھ نکاح کے لئے درخواست کی تھی مگر زینب اور اس کا بھائی اگرچہ اس بات کے لئے تو بخوشی تیار تھے - کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہو جاوے مگر زید سے نکاح کے لئے انہون نے انکار کر دیا اس وجہ پر کہ زید ایک غلام آزاد شدہ تھا حالانکہ زینب قریش کے شریف خاندان کی ایک معزز عورت تھی لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود اس سے نکاح کرنا پسند نہ کرتے تھے اور یہی چاہتے تھے کہ وہ زید پر ہی راضی ہو جاوین - جب زینب اور اس کے بھائی کی طرف سے انکار پر اصرار ہوا - تو خدائے تعالےٰ نے ان کو اس معاملہ مین متنبہ کیا اور تمام مومن مردون اور مومن عورتون کے لئے ایک عام حکم کے ذریعہ ان کو مطلع فرمایا کہ جب خدا اور اس کا رسول ایک معاملہ مین فیصلہ کر چکے ہین تو پھر کسی مومن مرد یا مومن عورت کے یہ لائق نہین کہ وہ انکار کرے اور یہ بھی بتا دیا کہ اگر وہ خدا اور اس کے رسول کے حکم سے انکار کرین گے تو سخت گمراہی مین پڑین گے - اس آیت کے آنے پر زینب اور اس کا بھائی راضی ہو گئے اور خدا تعالےٰ کے حکم کو خوشی سے قبول کیا - اور زید کا زینب کے ساتھ نکاح ہو گیا +

یہانتک تو اس نکاح کا قصہ ہے - اور ناظرین اسے پڑھکر خود دیکھ لین گے کہ جو الزام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ کس قدر جھوٹا ہے اب یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ زینب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بہت قریبیون مین سے تھی - زینب کی ماں امیمہ عبد المطلب کی بیٹی تھی (دیکھو اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد پنجم صفحہ ۴۶۳) اس قدر قریب کی تو رشتہ دار تھی مگر ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ زینب ان لوگون مین سے تھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ابتدا ہی مین ایمان لے آئے تھے اور وہ مہاجرہ بھی تھی ان تمام باتون سے

معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زینب کو بڑی اچھی طرح سے جانتے تھے تمام واقعات یعنی آپ کا اور زینب کا رشتہ داری کا اس قدر قریب تعلق اور زینب کا ابتدا مین ہی مسلمان ہو جانا اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مدینہ کو بھاگنا یقینی طور پر ثابت کرتے ہین - کہ زینب کوئی اجنبی عورت نہین تھی بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس کو بچپن سے ہی بخوبی جانتے تھے اور بارہا بچپن مین اور جوانی مین اس کو دیکھا ہوا تھا - علاوہ ازین اسلام سے پہلے عرب مین پردہ کی رسم نہ تھی - اور اس لئے مرد اور عورتین تمدنی زندگی مین باہم ملتے جلتے تھے - بلکہ اسلام مین بھی پردہ کا حکم آنحضرت کے زینب سے نکاح کے بعد ہوا ہے اور چونکہ تمام عیسائی مورخین اس بات کو تسلیم کرتے ہین اس لئے اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہین - اب ان تمام واقعات پر غور کرو کہ اول تو زینب آنحضرت کی پھوپھی کی لڑکی ہے اور پھر ابتدائی مسلمانون کی چھوٹی سی جماعت مین بھی داخل ہے پھر وہ آنحضرت کے ساتھ ہی مدینہ کو بھاگ کر چلی آتی ہے اور پردہ کا ملک مین کوئی رواج بھی نہین اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زینب سے درخواست کرتے ہین کہ وہ زید کے ساتھ نکاح منظور کرے - اور پھر سوچو کہ یہ کسقدر بڑا اسیاہ جھوٹ ہی کہ آنحضرت صلعم نے نیم کشادہ دروازہ مین سے اتفاقاً زینب کو دیکھ لیا تھا - اور اس کی خوبصورتی کے سبب سی اس پر فریفتہ ہو گئے تھے اس کمینہ اور گندے جھوٹ کو پیش کرنے والے خدا کی لعنت کے نیچے ہین - ہم تو دیکھتے ہین کہ جب زینب آنحضرت کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے تو وہ خود اس کو منظور نہین کرتے اور باوجود اس کے اصرار کے کہ وہ اپنے نکاح مین اسے لے لین آپ زید کے لئے ہی زور دیتے ہین - اگر نفسانی خواہش ہی آنحضرت کے اس نکاح کی محرک تھی تو پھر کونسی وجہ تھی جو آپ نے اسوقت اسے منظور نہ کیا جب وہ جوان تھی بات یہ ہے کہ تعصب کا پردہ جو عیسائیون کی آنکھ کے آگے پڑا ہوا ہے وہ انہین واقعات کو اصل صورت مین دیکھنے نہین دیتا +

اب اس بیان سے جسے مسلمان محققین نے سچا اور صحیح بیان تسلیم کیا ہی اور جسے انہون نے قابل اعتبار قرار دیا ہی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہی اس بات پر زور دیا تھا کہ زینب کا زید کے ساتھ نکاح کر دیا جاوے اور خود زینب اور اس کے رشتہ دار اس کے مخالف تھے لیکن اللہ تعالیٰ کیطرف سے جو وحی نازل ہوئی اس مین یہی حکم تھا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے وہی ٹھیک ہی

نمبر ۸

اور زینب اور اس کے رشتہ داروں کو اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں۔ اس لئے اس نکاح کے متعلق یہ ایک شہرت یافتہ امر ہو گیا تھا کہ یہ نکاح خدا تعالےٰ کے حکم کے مطابق ہوا ہے یہ بات بہت قابل توجہ ہے کیونکہ اس کی طرف پھر بھی ہم توجہ دلائینگے جب تک وحی نازل نہیں ہوئی تب تک زینب زید کے ساتھ نکاح پر راضی نہیں ہوئی۔ اور اس امر سے مسلمان اور غیر مسلمان سب آگاہ تھے سب جانتے تھے کہ زینب نے انکار کیا تھا مگر آنحضرت کے فیصلہ کے مطابق وحی الہی نے فیصلہ کیا اس لئے ایک ایسی نکاح کے متعلق جو خدا کے حکم سے ہوا تھا لوگ ہر وقت منتظر تھے کہ آیندہ کیا ہوتا ہے +

اب ہم نکاح کے بعد کے واقعات پر غور کرتے ہیں سب سے پہلے قرآن کریم کے ان الفاظ میں ہمیں اس مضمون کی طرف توجہ دلائی گئی ہے واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسك علیك زوجك واتق اللہ۔ اور جب تو کہتا تھا اس شخص کو جس پر اللہ تعالےٰ نے احسان کیا اور تو نے احسان کیا کہ اپنی بیوی کو طلاق مت دے اور خدا سے ڈر" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زید اپنی بیوی کو طلاق دینی چاہتا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طلاق سے روکا اس کے متعلق حاکم انسؓ سے روایت کرتا ہے کہ زید بن حارثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور زینب بنت جحش کی شکایت کی (یعنی اس امر کی کہ وہ اس سے متکبرانہ طریق سے پیش آتی ہے) اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلاق مت دو اور خدا سے ڈرو۔ دیکھو لباب النقول فی اسباب النزول۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد زینب جو نہایت معزز خاندان قریش کی عورت تھی اپنے حسب کی بڑائی کے سبب سے ایسے طریق سے زید سے پیش آتی تھی جو اسکو ناگوار گذرتا تھا اور آخر اس کو بالکل ناقابل برداشت پاکر زید نے آنحضرتؐ کے پاس شکایت کی اور طلاق دینا چاہا لیکن آنحضرت نے اسے منع کیا اور فرمایا کہ اس سختی کی برداشت کر کے اپنی بیوی کو رکھو اور خدا سے ڈرو۔ یہ کہنا کہ یہ الفاظ دل میں تھے نہایت کمینہ درجہ کی بے ایمانی ہے خواہ اس کا کہنے والا میور ہو یا مانرو ہو یا یسوع کی انجیل کا کوئی اور حلیم واعظ۔ اگر آنحضرت کی نسبت یہ کہنا درست ہے تو کیوں جائز نہیں کہ یسوع کو بھی بھیڑ کی صورت میں ایک بھیڑیا بلکہ بھیڑیے سے بھی بدتر مانا جاوے۔ وہ وقت کب آئے گا کہ پادری صاحبان بھی ابیا نزاری سے اعتراض کرنا سیکھیں گے۔ کب ان کو یہ سمجھ آئے گی کہ خدا کے پاک اور معصوم نبیوں کو گالیاں دینے سے وہ اپنے موہوم خداوندگی کوئی خدمت نہیں کرسکتے۔ اگر تمام برگزیدوں

کو گنہگار کہا جائے گا تو اس سے ایک ضعیف انسان ایک عاجز مخلوق جو نو ماہ تک عورت کے پیٹ مین خون حیض سے پرورش پاتا رہا خدا اور خالق ارض و سما نہین بن جائے گا زید آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے اور اپنی بیوی کے متکبرانہ سلوک کی جو شرافت خاندان کے احساس کی وجہ سے تھا۔ آپ کے پاس شکایت کرتا ہے اور طلاق کا ارادہ ظاہر کرتا ہے آنحضرت نہایت سختی سے اسے روکتے ہین مگر یہ سچائی کے دشمن کہتے ہین کہ یہ نعوذ باللہ منافقانہ الفاظ تھے اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہین جانتے تھے کہ زید آپ کے ارادے سے جو اس کی بیوی کے متعلق آپ رکھتے تھے آگاہ ہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ آپ کی خاطر طلاق دے رہا ہے تو اس فقرے کے کیا معنے تھے کہ اتق اللہ خدا سے ڈر و کسطرح آپ زید کو ان الفاظ مین روک سکتے تھے کہ اے زید خدا سے ڈر اور اپنی بیوی کو طلاق مت دے۔ کیا یہ لفظ منافقانہ ہو سکتے ہین۔ نہین بلکہ یہ لفظ ہی ایسے ہین کہ دل کے اندر سے نکلے ہوئے ہین۔ خدا سے ڈر ایک ایسا فقرہ نہین ہے جو ایک مجرم دل زبان پر لا سکے اور پھر ایسے شخص کے سامنے جسے وہ جانتا ہے کہ کہ اس کے فاسد خیال سے وہ آگاہ ہے کیا انسانی فطرت ایک لمحہ کے لئے بھی اس خیال کی برداشت کر سکتی ہے اور پھر زید جس کو یہ لفظ بولے جاتے ہین کون ہے اور اس کا آنحضرت سے تعلق کیا ہے یہ وہ نازک تعلق ہے جو مرید اور مرشد کے درمیان ہوتا ہے۔ مرید ایمان رکھتا ہے اور یقیناً جانتا ہے کہ میرا آقا خدا کا بھیجا ہوا ہے تا لوگون کو راستبازی کی طرف بلائے وہ خدا سے ہمکلام ہوتا ہے اور خدا اس سے ہمکلام ہوتا ہے وہ اپنی راستبازی مین ایک کامل انسان ہے اور نیکی کا ایک نمونہ ہے جس کے ہر ایک قول اور فعل کی اسے پیروی کرنی چاہیئے۔ اب اس نازک تعلق کو جس کی بنیاد راستبازی اور پاکیزگی پر تھی سامنے رکھو اور ان الفاظ پر غور کرو جو ایسے آقا کے منہ سے اس مرید کے لئے نکل رہے ہین کہ خدا کے سامنے تقوے اختیار کرو اور اپنی بیوی کو طلاق مت دو۔ کسقدر ظلم اور بے ایمانی ہے کہ کہا جائے کہ یہ الفاظ منافقانہ اور ظاہر داری کے رنگ مین تھے اور دلی منشا یہ نہ تھا کیا منافقانہ الفاظ ایسا ہی اثر کیا کرتے ہین۔ جیسا کہ آنحضرت کے الفاظ نے صحابہ کے دل پر اثر کیا۔ جنہون نے ان الفاظ کو سنکر اپنا سب کچھ اسی کی راہ مین کھو دیا اگر آپ کے الفاظ دل سے نہ تھے تو انہون نے دلون پر کیون اثر کیا۔ کیا یہ سچ نہین کہ دل پر وہی اثر کرتا ہو جو دل سے نکلے ✦

پھر ہم اصل مضمون کیطرف توجہ کرتے ہین جب زید نے خانگی مشکلات کیوجہ سے زینب کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو آنحضرت نے اسے بہت ناپسند کیا اور اس کو اس فعل سے روکا۔ آپ نے کیون روکا اس کے کئی وجوہات تھے اول تو زینب کا آپ کے ساتھ نہایت ہی قریب کا تعلق تھا اور زید سے بھی آپ کو بڑی محبت تھی اور آپ پسند نہین کرتے تھے کہ دو شخص جن سے آپ کو اس قدر تعلق اور محبت تھی ان مین ناچاقی ہو۔ علاوہ برین خود ہی آنحضرت اس شادی کے محرک ہوئے تھے اور زینب کے منشاء کے خلاف آپ نے اسپر زور دیا تھا حالانکہ زینب کے دوسرے رشتہ دار بھی اسے پسند نہ کرتے تھے اس لئے ضرور تھا کہ زینب کے وارث بھی قومی اور رسمی خیال کے لحاظ سے اس طلاق سے ناخوش ہون اور یہ بات بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دل کو مضطر کرنے کا باعث ہو سکتی تھی اگر نکاح کے وقت وہ لوگ تھوڑے بھی ناخوش تھے تو اب طلاق سے ان کو بہت ہی رنج کا اندیشہ تھا لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ زینب کا نکاح حکم الہی کے مطابق ہوا تھا اب آنحضرت کو یہ فکر تھا کہ جاہل اور سطحی خیال کے لوگ اپنے نزدیک اسے بھی ایک اعتراض سمجھ لین گے کہ ایک نکاح جو وحی الہی کے حکم کے نیچے ہوا تھا اتنی جلدی اس کا نتیجہ ایسی ناچاقی اور طلاق ثابت ہوا۔ آپ یہ بھی سوچتے تھے کہ مخالف منکر جو ہر وقت اسلام پر اعتراض کرنے کے لئے حیلے سوچتے رہتے تھے انھیں بھی طلاق پر زبان درازی اور طنز کا موقعہ ملے گا اور وہ لوگون کو سچائی کے قبول کرنے سے روکین گے یہی وجہ تھی کہ آپ نے زید کو طلاق سے روکا۔ تاکہ مخالفون کو زبان درازی اور طنز کا موقعہ نہ ملے چنانچہ اس کے بعد جو الفاظ قرآن کریم مین استعمال ہوئے ہین وہ آنحضرت کے دل کی اس مضطربانہ حالت کو ظاہر کرتے ہین "وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ اور تو اپنے دل مین چھپاتا تھا۔ اس بات کو جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تو لوگون سے ڈرتا تھا اور اللہ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرے" ان الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر آنحضرت کے دل کی کیا حالت تھی۔ آپ نہین چاہتے تھے کہ طلاق ہو کر اس ناچاقی کا افشا ہو اور معاندین اسلام کو زبان درازی کا موقعہ ملے۔ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ اس قسم کی نکتہ چینیان نادانون کی ٹھوکر کا باعث ہو جاتی ہین اس لئے آپ کی دلی خواہش یہی تھی کہ زید طلاق نہ دے اور اس جھگڑے پر پردہ پڑ جائے یہی وہ بات تھی جسکو آنحضرت چھپانا چاہتے تھے مگر اللہ تعالے کا منشاء یہ نہ تھا کیونکہ جیسے آگے چلکر اسی آیت کے اخیر پر بیان کیا گیا ہے اس نکاح اور طلاق مین خدائے تعالے ایک خاص منشاء الہی کو پورا کرنا چاہتا تھا جیسا کہ فرمایا وکان امر اللہ مفعولا آنحضرت اسی بات سے ڈرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ نکتہ چینیان کفار کیطرف سے سچائی کے قبول کرنے مین لوگون

سے لئے روک ہو جاویں ۔ وہ لوگوں سے ڈرتے تھے مگر انھیں کے فائدے کے لئے کہ ایسا نہ ہو یہ لوگ ہلاکت میں پڑ
جاویں ۔ آنحضرت کو یہ غم جو لوگوں کے لئے تھا کہ وہ راہ ہدایت پر کیوں نہیں آتے اس کا اظہار قرآن شریف میں دوسرے موقعہ
پر اس طرح پر کیا گیا ہے لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین ایک موٹی سمجھ کا آدمی تو یہ خیال کرے گا کہ
اس جگہ آنحضرت کو سرزنش کی گئی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ خدائے تعالے آنحضرت کی تعریف کرتا ہے اس
غمگساری اور ہمدردی کے لئے جو آپ کو لوگوں کے ساتھ تھی اسی طرح ان الفاظ تخشی الناس میں لوگوں کی بہتری کی
غم کی طرف اشارہ ہے ۔ آنحضرت کے دل کی ایسی حالت کو دیکھکر اللہ تعالے فرماتا ہے کہ ان لوگوں سے ڈرنا
نہیں چاہیئے ۔ کیونکہ اس طلاق کے ذریعے اللہ تعالے اپنا ایک خاص منشار پورا کرنا چاہتا ہے اور اسی کی مصلحت
نے یہ تقاضا کیا ہے کہ اسی طرح پر یہ نکاح اور پھر طلاق ہو پس جب اس ارادہ اور مصلحت یہی چاہتے ہیں تو پھر اور
کسی سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے اللہ ہی حقدار ہے کہ ہر وقت اسی سے ڈرنا چاہیئے گویا ان الفاظ سے یہ بتایا
گیا ہے کہ تم اسباب سے مت ڈرو کہ ایسی طلاق سے کوئی مضرت پیدا ہوگی اور اس لئے جسطرح حکم الہی
ہے اسی طرح ہونے دینا چاہیئے ۔

اس وقت تک آنحضرت کا زینب سے نکاح کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا کیونکہ ابھی ایک دو سال پیشتر ہی یہ
انکار کر چکے تھے جب زینب نے یہ خواہش ظاہر کی تھی ۔ بالآخر زید نے طلاق دیدی اور آنحضرت نے بھی
حکم الہی کے مطابق اسے روکنا چھوڑ دیا اور طلاق کے بعد عدت بھی گذر گئی جیسا کہ الفاظ فلما قضی زید
منہا وطرا کا منشار ہے ۔ اس کے بعد یعنی طلاق اور عدت کے گذر جانے کے بعد حکم الہی آتا ہے کہ آنحضرت
خود زینب سے نکاح کرلیں ۔ چنانچہ الفاظ منقولہ بالا کے بعد خدا تعالے فرماتا ہے زوجنکھا یعنے ہم نے
اسے یعنی زینب کو تیری بیوی بنا دیا ۔ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ تونے زینب سے نکاح کی خواہش ظاہر کی یا
نکاح کرلیا تو ہم نے تجھے اجازت دیدی بلکہ یہ فرمایا کہ خود ہم نے ہی تیرا نکاح اس کے ساتھ کر دیا ۔ یعنی ہمارے
حکم سے تونے نکاح کیا ۔ اور جب تک ہم نے حکم نہیں دیا نکاح نہیں کیا ۔ کیا ان الفاظ سے یہ صاف
نتیجہ نہیں نکلتا ۔ کہ آنحضرت نے حکم الہی کے بغیر ارادہ نکاح کا نہیں کیا اور یہ حکم اس وقت نازل ہوا ۔ جب
طلاق ہوکے بعد عدت بھی گذر چکی تھی ۔ اگر یہ نکاح آنحضرت کی خواہش سے ہوتا تو قرآن شریف کو چاہیئے تھا
کہ اسی طرح پر اس کو بیان کرتا ۔ لیکن قرآن شریف ہمیں یہی بتاتا ہے ۔ کہ آنحضرت کی خواہش نہ تھی بلکہ
خدا کا حکم تھا ۔

اب اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیون خدا تعالےٰ نے پہلے ہی موقعہ پر آنحضرت کو حکم نہین دیا
کہ آپ ہی زینب سے نکاح کر لین بلکہ اس وقت تو زید کے نکاح کا حکم دیا اور اب جب ناچاقی کے بعد طلاق
ہو گئی تو پھر آنحضرت کو حکم دیا کہ اب تم زینب سے نکاح کرو۔ خدا تعالےٰ جو عالم الغیب ہے وہ خوب
جانتا ہوگا کہ زید اور زینب کا نکاح باَلآخر فسخ ہونے والا ہے پھر پہلے اس نے کیون یہ حکم دیا کہ زینب
کا نکاح زید کے ساتھ ہی ہو۔ اس کا جواب خود قرآن شریف نے دیا ہے اور جہان آنحضرت کو حکم ہوا
ہے کہ تم زینب سے نکاح کرو وہان ہی اس سوال کا جواب اس طرح پر دیا گیا ہے۔ لکیلا
یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائھم اذا قضوا منھن وطرا وکان امر اللّٰہ مفعولا
(ہم نے اس واسطے تیرا نکاح زینب سے کیا ہے) کہ مسلمانوں کے لئے اپنے لے پالکوں کی مطلقہ
بیویوں سے نکاح کر لینا گناہ نہ رہے اور یہ خدا کا حکم تھا جو اسی طرح پر پورا ہوتا تھا" یہان نہایت
صاف الفاظ مین اس حکم کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ کیون ہم نے بعد طلاق کے رسول کو حکم دیا۔ کہ
زینب سے نکاح کرو۔ ان الفاظ کے معنون مین کسی قسم کے شک و شبہ کی بھی گنجایش نہین اگر یہہ
نکاح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی خواہش کا نتیجہ مانا جاوے تو یہ وجہ نکاح کی جو قرآن شریف
نے خود بیان فرمائی ہے بیمعنی ہوئی جاتی ہے۔ اب اس جگہ دو سوال ہین جن کا حل کرنا ضروری
ہے۔ اول یہ کہ آیا تبنیت کی رسم فی الواقع مضر رسم ہے یا نہین اور آیا یہ ضرورت تھی کہ اس بُری رسم کو
دور کرنے کیلئے آنحضرت خود ایک نمونہ بنین اس جگہ ہم نہایت اختصار کے ساتھ ان سوالون کے جواب
دینگے۔ اول تبنیت کی رسم کو لو۔ اس کے مضر ہونے مین کسیکو شک نہین ہو سکتا صرف کہدینے سے
ایک انسان دوسرے کا باپ یا بیٹا نہین ہو سکتا علاوہ برین اس کی بنیاد جھوٹ پر ہے اور جو شخص
جھوٹ بولتا ہے وہ راستبازی سے دور رہتا ہے۔ اس رسم کے بد نتائج ہندو مذہب مین سب
سے بڑھکر ظاہر ہوئے ہین اور اسی بد رسم کی وجہ سے آخر نیوگ جیسا ناپاک اصول اس مذہب کے پیروؤن
کو ماننا پڑا ہے اور اس طرح پر بے غیرتی سے ایک عورت خاوند کی موجودگی مین اجنبیون کے پاس صرف
اولاد لینے کے لئے بھیجی جاتی ہے اس قسم کے ناپاک اصولون کی دنیا سے بیخ کنی کرنا آنحضرت صلے
اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بڑا مقصد تھا۔ اور اس لئے ضروری تھا کہ مذہب اسلام اس رسم کو بھی دنیا
سے دور کرے۔ لیکن جن لوگون کو کسی قسم کی اصلاح سے کام پڑا ہے وہ خوب سمجھ سکتے ہین کہ بغیر نمونہ

سینون کے رسوم کا دور کرنا ناممکن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی کامیابی کا یہی راز ہے کہ آپ نے جو کچھ اپنے پیرؤون کو کرنے کا حکم دیا پہلے خود اس پر عمل کر دکھایا۔ اس گہری فراست سے جو اللہ تعالےٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھی آپ دیکھتے تھے کہ فطرت انسانی ایسی واقع ہوئی ہے کہ جب تک واعظ خود نمونہ بن کر نہ دکھلاوے دوسرے لوگوں کو ان نیک کامون کی طاقت نہین ملتی جن کا وعظ ان کو کیا جاتا ہے۔ یسوع نے کیون ناکامیابی کا منہ دیکھا کیونکہ انجیلوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تعلیم وہ دیتے تھے وہ ناقابل عمل تھی اور خود بھی اس پر ان کا عمل نہ تھا۔ کیون آج عیسائی قومیں شراب خواری سے تباہ ہو رہی ہین؟ کیونکہ یسوع نے خود شراب سے پرہیز نہ کیا۔ اس جگہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونے پر غور کرو کہ آپ نے کس طرح شراب خواری کو خود پرہیزگاری کا ایک کامل نمونہ بنکر مسلمانون کے درمیان سے دور کیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زندگی کے ہر ایک پہلو مین کامل نمونہ تھے اور انہون نے خود راستبازی کے تمام طریقون پر چلکر اپنے پیرؤون کو دکھا دیا کہ کسطرح انسان ایک کامل انسان بن سکتا ہے بد رسوم کی بیخ کنی سچے مصلح کا عظیم الشان کام ہوتا ہے۔ پرانی رسوم آہستہ آہستہ عادت مین داخل ہو جاتی ہین کئی ہزار کتابین نصیحت کی ایک انسان سے بھی بدعادات کو نہین چھڑا سکتین یہ جائیکہ دنیا سے انہین نیست و نابود کر دین۔ صحابہ کو قرآن شریف مین یہی سکھایا گیا تھا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کہ تمہارے لئے ہر ایک نیکی کا نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہین اس لئے جو وہ آپ کو کرتے دیکھتے وہی کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ تبنیت کی رسم کو دنیا سے دور کرنے کے لئے وہ خود زینب سے نکاح کرین جو عربون کی رسم کے مطابق سخت معیوب امر سمجھا جاتا تھا کیونکہ زید جو زینب کو طلاق دیچکا تھا اس کے ساتھ رسول خدا اس قدر محبت کرتے تھے کہ لوگ اسے آپ کا بیٹا کہنے لگے تھے۔ اس لئے سب سے پہلے آنحضرت ہی کو حکم ہوا کہ زینب کے ساتھ نکاح کر کے اس بد رسم کی جڑ کاٹین۔ اگر آنحضرت کی اپنی خواہش یہ ہوتی کہ زینب کو نکاح مین لا دین تو اس سے پہلے کوئی روک ان کے لئے نہ تھی آپ اسے اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے اور آپ جسوقت چاہتے وہ اور اس کے وارث بخوشی راضی ہوتے کہ آپ اس سے نکاح کر لین۔ چنانچہ جب زید کے لئے آپ نے اسے مانگا تو اس وقت بھی زینب اور اس کے ورثاء دونون کی منشاء یہی تھی کہ آپ خود اس سے نکاح کر لین لیکن آپ نے پسند

نہین کیا اور اس وقت زید کے ساتھ ہی زینب کا نکاح کرایا - اس مین مصلحت الٰہی یہی تھی کہ زید کے طلاق دیدینے کے بعد آپ اس سے شادی کرین تا اسلام سے یہ رسم اٹھ جائے کہ صرف کہدینے سے کوئی شخص حقیقی بیٹا بن سکتا ہے سو پہلی دفعہ خدائے تعالٰے نے یہی چاہا کہ زینب کا نکاح زید کے ساتھ ہوا اور پھر حالانکہ آنحضرت بظاہر طلاق کو پسند نہ کرتے تھے لیکن خدا کے حکم کے مطابق طلاق ہی ہوئی اور آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح سے منشاء الٰہی پورا ہوا - اس امر الٰہی کے پورا ہونے کی طرف ان الفاظ مین اشارہ ہے جیسا کہ فرمایا: وکان امر اللہ مفعولا اور پھر فرمایا وکان امر اللہ قدرا مقدورا یعنی امر الٰہی ہو کر ہی رہنا تھا اور اس امر الٰہی کا ہونا پہلے سے ہی مقدر ہو چکا تھا۔ اور منشاء الٰہی اس مین یہ تھا جیسا کہ خود اللہ تعالٰے نے بیان فرما دیا ہے کہ اسلام سے تبنیت کی رسم اٹھا دیجاوے آیت مذکورہ بالا سے مابعد کی آیت اور بھی وضاحت کے ساتھ اس امر کو بیان کرتی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زینب کے ساتھ نکاح کرنا حکم الٰہی ہی کی تعمیل مین ہوا تھا اور اپنی کسی خواہش کے پورا کرنے کے لئے نہین تھا - ماکان علی النبی من حرج فیما فرض اللہ لہ - ترجمہ "نبی پر اس کام کے کرنے مین کوئی گناہ نہین جو اللہ تعالٰے اس کے لئے فرض کر دے"۔ پادری مانرو کو اپنے اعتراض پر شرم کرنی چاہئے قرآن شریف تو صاف صاف کہتا ہے کہ آنحضرت کو خدا نے حکم دیا کہ نکاح کر لین - اس لئے آپ پر کوئی حرج نہین - کیا سچ یہ ہے کہ آنحضرت کو کسی گناہ کے لئے سرزنش کی گئی ہے یا یہ کہ آپ کو ہر ایک الزام اور گناہ سے جو آپ کے ناعاقبت اندیش دشمن آپ پر لگا دین بری اور پاک اور معصوم ٹھہرایا گیا ہے - یہ الفاظ کہ خدا نے پیغمبر کے لئے اس بات کو فرض کر دیا تھا کہ وہ زینب سے نکاح کرین اس بات کی نفی کرتے ہین کہ آپ کا اپنا بھی کوئی ارادہ یا خواہش اس امر کا تھا - علاوہ ازین یہان سے صاف ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت کی طرف اس معاملے مین کوئی گناہ منسوب نہین کیا جا سکتا حالانکہ پادری مانرو بڑی جرأت کے ساتھ یہ دعوے کرتا ہے کہ نبی علیہ السلام اس معاملہ مین گنہگار تھے اگر پادری صاحب یہ کہین کہ رسول کریم علیہ السلام لوگون مین ڈر نے سے گنہگار ہوئے تو اس کی بھی صاف نفی اسی آیت مین موجود ہے جہان فرمایا ہے الذین یبلغون رسلت اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ یعنی جو لوگ خدا کے پیغام پہنچاتے ہین اور اسی سے ڈرتے ہین اور سوائے خدا کے اور کسی سے نہین ڈرتے"۔ یہ لفظ عام ہین یعنی کسی معاملہ مین بھی انبیاء سوائے خدا کے کسی سے نہین ڈرتے - یہ خیال کر لینا کہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ تبلیغ پیغام الٰہی مین کسی

مختصر اعتراض زید اور زینب کا نکاح پر اور پھر طلاق پر اور اس کے بعد آنحضرت کے ساتھ نکاح پر خدا تعالٰے نے ان الفاظ میں دور فرمایا ہے ... امر الٰہی تھا جو پورا ہوا

سے نہیں ڈرتے اور باقی امور میں ڈر جاتے ہیں محض بیوقوفی ہے علاوہ ازیں جو الفاظ دیکھشونہ۔ دونون فقرات کے درمیان آئے ہیں ان سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خشیت کا ذکر عام ہے۔ اور صرف تبلیغ پیغام تک محدود نہیں ورنہ یہ الفاظ درمیان میں نہ آتے اصل میں ان میں سے ہر ایک جملہ الذین خلوا من قبل کا بیان ہے کیونکہ پہلی آیت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ الذین خلوا من قبل سے کیا مراد ہے سو اس جگہ اس امر کو کھولکر بیان کیا گیا ہے کہ وہ وہ لوگ ہیں جو پیغام الہی مخلوق تک پہنچاتے ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں اور خدا کے سوا کسی چیز سے نہیں ڈرتے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کافی ہے۔ یہ ایک مشہور ضرب المثل ہے اور شاید پادری مانرو صاحب کو بحیثیت ایک پادری کے اپنی شہرت قائم رکھنے کے لئے ایسے ایسے بے بنیاد حیلے سوچنے پڑیں جیسے مثلاً یہ کہ اس میں صرف انبیاء سابق کا ذکر ہے اور آنحضرت اس میں شامل نہیں ہیں۔ مگر اسے یاد رکھنا چاہیے کہ بحیثیت نبی ہونے کے آنحضرت ویسے ہی اس میں شامل ہیں جیسے کہ دوسرے نبی بلکہ اگر آنحضرت کا ذکر بالخصوصیت اس میں مقصود نہ ہو تو ایسا بیان کرنے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے کہ انبیاء سابق یوں کیا کرتے تھے اصل مقصود کتاب اللہ کا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو ہی بیان کرنا ہے۔ علاوہ ازیں بہت ساری آیات اس مضمون کی ہیں جن کو خود پادری صاحب کئی دفعہ ذکر کر چکے ہیں کہ آنحضرت دوسرے انبیاء کی طرح نبی ہیں پادری مانرو کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس کے نزدیک تو انبیائے سابق بھی معصوم نہیں ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ وہ اس تعریف میں دوسرے انبیاء کو تو داخل سمجھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں داخل نہ سمجھے پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت موسے کے ڈرنے کا تو خود قرآن شریف میں ذکر ہے اور حضرت موسیٰ الذین خلوا من قبل میں داخل ہیں پس اگر حضرت موسی اس تعریف میں داخل ہیں۔ تو آنحضرت کیوں نہیں +

ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ جہاں کہیں کسی نبی کے سوائے خدا سے ڈرنے کا ذکر ہے اس جگہ یہ مراد نہیں کہ وہ اس دوسری چیز سے اسی طرح ڈرا جیسے انسان کو خدا سے ڈرنا چاہیے یا یہ کہ وہ اس وقت خدا سے نہیں ڈرتا تھا ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ قرآن شریف نے کہیں اس طرح ڈرنے کو گناہ نہیں کہا ہے اور اگر کہا ہے تو پادری مانرو کا فرض ہے کہ وہ آیت پیش کرے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ڈرنا اقتضائے بشریت اور انسانی کمزوری کا خاصہ ہے چونکہ نبی میں بھی بشریت ہوتی ہے اسلئے اس کا بمقتضائے بشریت ڈرنا گناہ نہیں اور نہ

ہی قابل اعتراض ہے۔ ہاں انبیاء کے ساتھ یہ سنت اللہ ہے کہ جب کبھی بمقتضائے بشریت وہ ڈرین
تو حفاظت الٰہی معاً ان کے شامل حال ہو جاتی ہے اور انسانی کمزوری کو دبا دیتی ہے۔ جو لفظ اس آیت
مین بولے گئے ہین وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ ان سے بھی یہی قانون الٰہی معلوم ہوتا ہے
یہ الفاظ آنحضرت کے دل کی کیفیت سے آگاہ کرتے ہین۔ اس مین شک نہین کہ وحی الٰہی دل کے اندر سے
پیدا نہین ہوتی لیکن یہ انعام الٰہی دل کی حالت کے بموجب عطا ہوتا ہے اور جس دل پر وارد ہو اس کی حالت
کا نقشہ دکھاتا ہے آنحضرت کے دل کی پہلی حالت بمقتضائے بشریت یہ ہے کہ آپ کے دل مین ایک
لمحہ سے بھی کم کے لئے لوگون کے ڈر کا خیال آیا جن معنون مین اس ڈر کو چاہین لین۔ لیکن اس خیال نے
آپ کے دل مین جگہ نہین پکڑی اور نہ اس کا کچھ اثر آپ کے دل پر ہوا بلکہ معاً دوسری حالت دل کی یہ ہو
گئی کہ واللہ احق ان تخشٰہ کہ اللہ ہی سے ڈرنا چاہیے اور حقیقی ڈر اللہ ہی کا ڈر ہے نہ کہ غیر اللہ کا
یہ سچ نہین کہ پہلے خیال کا بھی آپ کے دل پر کوئی اثر ہوا تھا کیونکہ پیشتر اس کے کہ وہ دل مین جگہ لے دوسری
حالت بدل گئی اور وہی آپ کے دل کی مستقل حالت ہے جس پر آپ قائم رہے۔ ایک خیال بمقتضائے
بشریت تھا لیکن دوسرا خیال جو صحیح اور سچا تھا اور منصب رسالت کے لازم حال پڑا ہوا تھا وہ معاً اس
پہلے خیال کو دل سے دور کرتا اور انسانی کمزوری کو دبا دیتا ہے کیونکہ یہ دوسرا خیال حفاظت الٰہی کا لازمی
نتیجہ ہے۔ جو کسی انسانی کمزوری کو نبی کے دل پر غالب نہین ہونے دیتی۔ انبیاء مین بشریت کا حصہ بھی موجود
ہوتا ہے اور اس لئے بلحاظ بشریت کے اگر کوئی خیال ان کے دل مین آئے تو خدا کا فضل اور حفاظت معاً
اس کو دبا دیتے ہین۔ ہمارا یہ اعتقاد نہین کہ انبیاء مین بشریت نہیں ہوتی البتہ یہ اعتقاد ہم رکھتے ہین اور سچا مذہب
یہی ہے کہ بشریت کی کوئی کمزوری انبیاء پر غالب نہیں ہوتی بلکہ ہر وقت خدا کی حفاظت اور مدد اس طرح پر ان
کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ جو بشریت کی کمزوریون کو دبائے رکھتی ہے چنانچہ وتخشی الناس کے ساتھ ہی اللہ
تعالےٰ کا یہ ذکر کر دینا کہ واللہ احق ان تخشٰہ یہی بتاتا ہے کہ آنحضرت کے دل کی اصلی حالت جس پر آپ
قائم تھے واللہ احق ان تخشٰہ کی مصداق ہے ایسا ہی جہان حضرت موسٰی کا ڈرنا بیان کیا گیا ہے اور
کہا گیا ہے فاوجس فے نفسہ خیفۃ موسٰی یہ بھی بلحاظ تقاضائے بشریت ہے مگر حضرت موسیٰ اس پر قائم نہین
رہے اور نہ اس کا کوئی اثر ان کے دل پر ہوا بلکہ ساتھ ہی منصب رسالت کے لحاظ سے جو ان کے دل کی حالت
ہونی چاہئے وہ بیان کر دی گئی ہے اور وہ یہ ہے قلنا لا تخف انک انت الاعلےٰ یعنی اپنے مظفر و منصور ہونے

کا احساس۔ اور یہی ان کے دل کی اصلی حالت ہے جس پر وہ ہمیشہ قائم ہین بشری کمزوری دل پر تسلط
نہین کر سکتی بلکہ اس کے آتے ہی معاً حفاظت الٰہی شامل حال ہو کر کمزوری کو دبا دیتی ہے اور خوف وغیرہ سب
کچھ جاتا رہتا ہے (یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت موسیٰ کو خوف صرف یہ تھا کہ ایسا نہ ہو لوگ ساحرون کے دھوکہ مین
آجائین) اس طرح پر اللہ تعالےٰ کا انبیاء کے ساتھ تعلق ہوتا ہے کہ ہر ایک بشریت کی کمزوری معاً حفاظت الٰہی
کے ذریعہ دبا دی جاتی ہے اور اس کا اثر دل پر مستقل طور پر کچھ نہین ہوتا اور نہ وہ کمزوری ان پر غالب ہی آسکتی ہے۔

قرآن شریف کی ان آیات سے معلوم ہوگا کہ اس قصہ کے مختلف واقعات بالترتیب قرآن شریف مین بیان
کئے گئے ہین۔ سب سے پہلے وہ وحی ہے جس کے آنے پر زینب زید کے ساتھ نکاح پر راضی ہوئی۔ پھر ایک
جھگڑا پیدا ہوتا ہے اور زید آنحضرت کے پاس شکایت لے کر آتا ہے اور طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے
آنحضرت اسے روکتے ہین اور آپ کو یہی اندیشہ ہوتا ہے کہ اس ناچاقی کے افشا ہونے سے لوگون کو ابتلا
نہ ہو۔ مگر آخر کار طلاق واقع ہو جاتی ہے اور عدت بھی گذر جاتی ہے اس کے بعد آنحضرت کو حکم ہوتا ہے کہ زینب سے
نکاح کرین اور اس کی بڑی غرض یہ بتائی گئی ہے کہ متبنیت کی رسم دنیا سے دور ہو جائے اور مسلمانون کو اپنے
لے پالکون کی مطلقہ بیویون سے نکاح کرنے مین مضایقہ نہ ہو۔ پھر یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہی وہ غرض تھی جس کے
پورا کرنے کے لئے یہ سارے واقعات خدا تعالےٰ کے منشار کے مطابق ظہور مین آئے اس کے بعد آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی بریت کی جاتی ہے تاکوتہ اندیش مخالف ٹھوکر سے بچین اور صاف لفظون مین کہا جاتا ہے کہ
آنحضرت پر اس معاملے مین کسی قسم کا الزام نہین لگایا جا سکتا اور وجہ اس کی ساتھ ہی یہ بیان کی جاتی ہے کہ
خدا نے حکم دیا تو آپ نے نکاح کیا۔ اور بالآخر یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ خیال نہین کرنا چاہیئے کہ لوگون سے ڈرنے
مین آنحضرت نے کوئی گناہ کیا کیونکہ خدا کے رسول۔۔۔ سوائے خدا کے کسی سے نہین ڈرتے۔ اور ہم یہ بھی دکھا چکے
ہین کہ یہ آنحضرت کا لوگون سے ڈرنا محض طلاق کے معاملہ مین تھا چنانچہ بخاری بھی یہی روایت کرتا ہے کہ یہ آیت
زید اور زینب کے معاملات کے متعلق ہے یعنی ناچاقی اور طلاق کے متعلق۔ اگر ہم اس ڈرنے کو ان معنون مین
بھی لین کہ آنحضرت ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے اپنے لے پالک کی بیوی سے نکاح کر لیا تو بھی کوئی حرج نہین
اور نہ ان معنون کے لینے سے ان دلائل مین سے کوئی دلیل کمزور ہوتی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہین لیکن سیاق
وسباق آیت انھین معنون کو چاہتا ہے جنھین ہم نے ترجیح دی ہے ❊

جو واقعات اس قصہ کے یہان بیان کئے گئے ہین یہی معتبر اور صحیح روایتون مین ملتے ہین۔ اور اس لئے انھین

کی صحت پر یقین کیا جا سکتا ہے لیکن چونکہ یہ واقعات پادریون کے مفید مطلب نہین ہین۔ اس لئے وہ مردود قصون اور روایتوں پر بھروسہ کرتے ہین اور صحیح اور معتبر روایتون کی طرف نہین آتے کہا جاتا ہے کہ جب زینب کا زید سے نکاح ہوگیا تو ایک آنحضرت زید کے گھر تشریف لے گئے اس وقت وہ تو گھر مین موجود نہین تھا لیکن اس کی بیوی موجود تھی اتفاقاً آنحضرت کی نظر اس پر دروازے کے شگاف مین سے جا پڑی اور یہی باعث نکاح کا ہوگیا کیونکہ جب زید کو معلوم ہوا کہ یہ واقع ہوا ہے تو اس نے خود آنحضرت کی خاطر اپنی بیوی کو طلاق دیدی تا آپ اس سے شادی کرلیوین چنانچہ ایسا ہی ہوا صرف یہی نہین کہ قرآن شریف اس جھوٹے قصہ کی تائید نہین کرتا بلکہ صاف لفظون مین اس کی تردید کرتا ہے اگر اس قصہ کو سچا مانا جاوے تو اس سے قرآن شریف کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ اس کے رو سے تو آنحضرت اس معاملہ مین قابل الزام ٹھہرتے ہین حالانکہ قرآن شریف کہتا ہے کہ اس معاملہ مین آپ کسی طرح سے قابل الزام نہین۔ دوسرے اس قصے کے رو سے آنحضرت کا نکاح زینب کے ساتھ ان کی اپنی خواہش کا نتیجہ ہوگا۔ حالانکہ قرآن شریف کہتا ہے کہ خدا نے آپ پر یہ فرض کردیا تھا اور اس لئے نکاح صرف خدا کے حکم سے ہی ہوا نہ کہ اور کسی طرح۔ اور نیز اس کو امر الہی بیان کیا گیا ہے۔ تیسرے اس قصہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت زینب سے نکاح چاہتے تھے لیکن قرآن شریف کہتا ہے کہ آپ نے زید کو طلاق دینے سے روکا۔ اگر آپ کو نکاح کی کچھ بھی خواہش ہوتی تو آپ زید کو طلاق دینے سے کیون روکتے بلکہ خوش ہوتے۔ یہ کہنا کہ ممانعت کے لفظ اوپرے دل سے تھے اول کہنے والے کے اپنے دل کی حالت کو ظاہر کرتا ہے کہ کیسا سیاہ اور گندہ دل ہے۔ اور دوسرے بہر حال منع تو کیا خواہ اوپرے دل سے ہی کیا۔ لیکن اگر نکاح کی خواہش ہوتی تو روکتے کیون۔ علاوہ ازین اس قسم کی نصیحت کہ خدا سے ڈر اور راستبازی اختیار کر سچے دل کی نصیحت ہوسکتی ہے جھوٹے کے مناسب حال یہ الفاظ ہی نہین چہارم قصہ کی غرض یہ ہے کہ زینب کے ساتھ نکاح کرنے مین آنحضرت کا صرف اپنی خواہشات کو پورا کرنے کا مقصد تھا۔ حالانکہ قرآن شریف کہتا ہے کہ اس نکاح سے خالص یہی غرض تھی کہ تبنیت کی رسم کو دور کیا جاوے۔ پنجم جن الفاظ مین زید کو بیان کیا گیا ہے وہ بھی اس قصے کو جھوٹا ٹھہراتے ہین بجائے اس طرح کہنے کے کہ جس وقت تو زید کو کہتا تھا قرآن شریف فرماتا ہے وَاِذْ تَقُولُ لِلَّذِیْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ جب تو کہتا تھا اس شخص کو جس پر خدا نے احسان کیا اور جس پر تو نے

احسان کیا۔ اس میں دو باتیں زید کے متعلق بیان کیگئی ہیں اول یہ کہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جن پر اللہ نے انعام کیا اس لئے وہ انعمت علیھم میں شامل ہوا اور یہی وہ مرتبہ ہے جس کے لئے تمام مسلمان خواہش رکھتے ہیں۔ اب اگر یہ مانا جائے کہ زید نے یہ جانکر زینب کو طلاق دی تھی کہ رسول خدا اس سے نکاح کی خواہش رکھتے ہیں اور ان تمام واقعات کو سچا مانا جائے جو میور صاحب نے اپنی کتاب میں لکھے ہیں تو زید انعمت علیھم میں سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس صورت میں یہ واقع اس کی بڑی بیعزتی اور گمراہی کا ثبوت ہوگا کہ ایسے شخص کے پیچھے وہ چلتا تھا جو اپنی نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے میں دن رات لگا رہتا تھا۔ پس زید کو ان لوگوں میں داخل کر کے جنکو قرآن شریف نے منعم علیہ مانا ہے خدا کے کلام نے اس جھوٹے قصے کی تردید کر دی ہے۔ پھر زید کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ خود رسول خدا کے بھی اس پر بہت احسان ہیں لیکن اگر ایسا امر آنحضرت کی طرف سے ظہور میں آیا ہوتا تو آپ کے سارے احسان اور انعام باطل اور کالعدم ہو جاتے اور قابل ذکر نہ ہوتے چہ جائیکہ خصوصیت سے ان کا ذکر کیا جاتا۔ پس جب قرآن شریف کا لفظ لفظ اس قصے کی تردید کرتا ہے تو اس کو صحیح ماننے کے لئے ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ ہر ایک روایت جو قرآن شریف کے مخالف ہو وہ رد کرنی چاہئے +

جب یہ معلوم ہو گیا کہ قرآن شریف اس قصے کی تردید کرتا ہے تو اب ہم یہ دیکھیں گے کہ آیا واقعات اس کو کیسا ٹھہراتے ہیں سب سے پہلا یہ مسلم ہے کہ زینب آنحضرت کی حقیقی پھوپھی کی بیٹی تھی اور اس لئے آنحضرت اس کو بچپن ہی سے جانتے تھے۔ دوسرے وہ ابتدا میں ہی اسلام لے آئی تھی اور یہ ممکن ہی نہ تھا کہ آنحضرت نے اسے دیکھا نہ ہو۔ تیسرے وہ مہاجرہ بھی تھی۔ چوتھے اسلام سے پہلے عرب میں پردہ کی رسم نہ تھی اور عورتیں اور مرد باہم ملتے جلتے تھے اور اسلام میں بھی پردہ کا حکم اس وقت آیا جب زینب کا نکاح آنحضرت سے ہو چکا تھا۔ یہ کسقدر جھوٹ ہے کہ اتفاقاً آنحضرت کی نظر زینب پر جا پڑی۔ زینب ہمیشہ آنحضرت کے سامنے رہی بلکہ آپ کے سامنے جوان ہوئی بیاہی گئی اور پھر خود آپ نے اس کا نکاح زید سے کرایا اور خود اس کے ساتھ نکاح کرنا منظور نہ کیا۔ کیا یہ سچ نہیں کہ آنحضرت کے ساتھ نکاح کے وقت اس کی عمر سینتیس سال کی تھی اور یہ عمر گرم ملکوں میں عورتوں کے لئے بڑھاپے کی عمر سمجھی جاتی ہے۔ پھر ایک اور امر قابل غور ہے اگر کوئی اس قسم کا واقعہ ہوا ہوتا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے تو ضرور تھا کہ آپ کے پیروؤں کے دل میں سخت شبہات پیدا ہوتے۔ اگر آپ ایک ایسے قابل نفرت فعل کے مرتکب ہوتے تو آپ کا سلسلہ ایک لمحہ میں درہم برہم ہو جاتا۔

زید سب سے پہلے آپ کی صداقت کا منکر ہوتا کیونکہ اس کو ان تمام واقعات سے خبر تھی اور اس کی شہرت
فوراً پھیل جاتی۔ ایسے واقعہ پر ایک آدمی بھی آپ کے ساتھ نہ رہ سکتا کیونکہ یہ فعل بظاہر صورت ایسا قبیح
ہے کہ مرشد اور مرید کا نازک تعلق اس سے ایک دم مین ٹوٹ جاتا ہے آپ کے پیروؤن کا تعلق آپ کے ساتھ
صرف راستبازی اور نیکی کا تعلق تھا اور آپ کو وہ قابل پیروی نمونہ جانتے تھے کونسی چیز تھی جسکو دیکھکر آپ
کے صحابہ نے اپنے وطن اور جائدادین چھوڑ دین۔ دکھ اور تکالیف سہے اور جانونکو بیدریغ قربان کر دیا۔ یہ
صرف آپ کی کامل راستبازی اور صحابہ کے دلون مین آپ کے نقش قدم پر چلنے کی سچی خواہش تھی۔ پھر
کس طرح ایک قبیح فعل کو آپ کے اندر پاکر آپ کے ساتھ رہ سکتے لیکن ہمین صاف شہادت ملتی ہے کہ ایک
صحابی کے دل مین بھی کسی قسم کا شک یا شبہ پیدا نہین ہوا۔ کیا اس سے قطعی اور یقینی ثبوت نہیں ملتا کہ یہ قصہ
جیسے میور صاحب پیش کرتے ہین ایک صریح جھوٹ ہے اور اس کی اصلیت آنحضرت کی زندگی کے واقعات
مین کچھ بھی نہین ان سب امور سے یعنی قرآن شریف اور معتبر احادیث اور واقعات کی شہادت سے اس
قصے کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہے *

اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ خود اس قصے کی سند کیا ہے۔ میور صاحب طبری کا حوالہ دیتے ہین طبری ایک
ایسا مورخ ہے جس نے بغیر تنقید کے روایات کو اپنی کتاب مین داخل کیا ہے صرف ایک محدثین کا فرقہ ہی
ایسا ہے جس نے احادیث کا جھوٹ اور سچ پرکھنے مین محنت شاقہ اٹھائی ہے۔ طبری ان لوگوں میں سے
نہین ہے۔ اور نہ ہی اس نے اپنی تاریخ یا تفسیر مین جھوٹ اور سچ کو الگ کرنے کی کوئی کوشش کی ہے بلکہ ہر
ایک روایت کو جو اسے مل گئی بلا تنقید درج کر دیا ہے۔ اس لئے کسی روایت کے معتبر یا غیر معتبر ہونیکو دیکھنے
کے لئے ہمین محدثین کیطرف رجوع کرنا چاہئے۔ طبری نے جو روایت لی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کس قدر
سادگی سے بلا تحقیق اس نے اس قصہ کو درج کر دیا ہے۔ یہ قصہ دو بار طبری مین مذکور ہے اور روایت
لفظی مین دونون روایتون مین تھوڑا سا اختلاف ہے راوی دونون صورتون مین ایک ہی بیان کئے
گئے ہین۔ طبری محمد بن عمر سے وہ عبداللہ بن عامر اسلمی سے اور وہ محمد بن یحییٰ بن حبان سے اس روایت
کا ذکر کرتا ہے۔ طبری جو ایک چوتھی صدی کا مورخ ہے صرف تین راویون کے ذریعہ ایک روایت کو آنحضرت
تک پہنچاتا ہے اور اس کی روایت اسی سے مشکوک ہو جاتی ہے۔ اب ہم ہر سہ راویون کو علیحدہ علیحدہ لیتے
ہین اخیر جس شخص تک روایت پہنچائی جاتی ہے وہ محمد بن یحییٰ بن حبان ہے لیکن چونکہ وہ صحابہ مین

سے نہیں اس لئے ایک ایسی قصہ کو جو اس کے سامنے نہیں ہوا صرف اسی کی سند پر کوئی وقعت نہیں دیجاسکتی یہ روایت کسی صحابی تک نہیں پہنچتی اور اس لئے ہم اسے رد کرنے پر مجبور ہیں یہ محمد ۱۲۱ھ میں فوت ہوا۔ محمد سے عبد اللہ بن عامر اسلمی روایت کرتا ہے جو ۱۵۰ھ میں مرا اور اسکو اسماء الرجال کی کتابوں میں احد من الضعفاء لکھا ہے اس لئے اس کی روایت بھی قابل اعتبار نہیں ہے۔ علاوہ ازیں انھیں کتابوں میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ محمد بن یحیٰی سے کوئی روایت نہیں کرتا اور نہ ہی محمد بن عمر اس سے کچھ روایت کرتا ہے اس لئے اس کی روایت محمد بن یحیٰی سے اور اس سے محمد بن عمر کی روایت محدثین کے نزدیک بالکل ناقابل اعتبار ہے۔ محمد بن عمر کی نسبت جس سے طبری کو روایت پہونچی ہے ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کا پورا پتہ نہیں دیا گیا۔ علاوہ ازیں یہ روایت طبری نے صرف ایک ہی ذریعہ سے پہنچائی ہے۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک اعلیٰ درجہ کی صحت روایت کیلئے ضروری ہے کہ وہ مختلف ذریعوں سے مختلف آدمیوں کو پہونچی ہو جس سے جھوٹ یا سازش کا شک جاتا رہے اس لئے ایک ایسی روایت کی بنا پر جو ہر طرح سے جھوٹی ثابت ہوتی ہے آنحضرت پر حملہ کرنا ایمانداری کا کام نہیں ہے؛

ان سب امور پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس قصہ کی بنا پر پادری مانرو نے آنحضرت پر گناہ کا الزام لگایا ہے وہ قصہ ہی جھوٹا ہے۔ اور قرآن شریف ایسے الزام کی تردید کرتا ہے ایک اور پہلو سے غور کر کے ہم اسی نتیجہ پر پہونچتے ہیں۔ عرب ایک غیور قوم تھی اور بسبب اپنی شرافت کے احساس کے ان میں غیرت کا مادہ بہت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مچھوے یا دھوبی نہیں تھے اور نہ ہی وہ عورتیں جنہوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا تھا کنجریاں تھیں بلکہ کیا مرد اور کیا عورت سب باغیرت اور پاکدامنی کی قدر کرنے والے تھے۔ ایک موقعہ پر جب آنحضرت اپنی کسی بیوی کے ہمراہ جا رہے تھے تو دو آدمی پاس سے گذرے آپ نے اسیوقت انکو بلاکر فرمایا کہ یہ میری بیوی ہے۔ یہ اس لئے نہیں تھا کہ ان گذرنے والے کے دلوں میں آپ کی نسبت کوئی شک پیدا ہوا تھا بلکہ آپ کی غیرت یہ نہیں چاہتی تھی کہ امکانی طور پر بھی آپکے صحابہ میں سے کسی کے دل میں کوئی شک پیدا ہو اور کامل عصمت اور پاکدامنی کے لحاظ سے جو آپکو حاصل تھی آپ نے یہ فرمایا۔ اس جگہ یسوع میں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بیّن فرق ہے۔ انجیلوں میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک موقعہ پر یسوع ایک کنجری کے ساتھ ایک ایسے مقام پر پایا گیا جہاں اور کوئی انسان نہ تھا۔ اب اس باریک فرق پر غور کرو کہ آنحضرت اپنی بیوی کے ساتھ جا رہے تھے لیکن پھر بھی آپنے ضروری

سمجھا کہ اس پاک اور نازک تعلق کے مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کیلئے جو آپکے مریدوں اور آپکے درمیان تھا کسی کو امکانی طور پر بھی شک کی گنجایش نہیں ہونی چاہئیے۔ برعکس اس کے یسوع باوجود اس کے کہ شادی بھی نہ ہوئی ہوئی تھی اور انجیلوں کے بیان کے مطابق شراب کے استعمال سے بھی پرہیز نہ کرتا تھا ایک مشہور بُرے چال چلن کی عورت کے ساتھ اکیلا گفتگو کرتا ہوا پایا گیا لیکن اس نے کچھ بھی خیال نہ کیا کہ ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے اسے اس حالت میں دیکھا ہوگا کیا خیالات گذرے ہونگے حالانکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس کے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہی جا رہے تھے اسقدر محتاط ثابت ہوئے۔ ایک ایسی عفیف آدمی کی نسبت جو اپنی عصمت کی حفاظت میں ہر وقت محتاط ہو ایسے الزام لگانا جیسا کہ زینب کے معاملے میں آنحضرت پر لگایا گیا ہے پادریوں کی شرارت ہے۔ انہیں واقعات سے یہ بھی پتہ ملتا ہے کہ آپکے صحابہ کو کیوں آپکی کامل راستبازی پر پورا یقین تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی راہ میں اپنی جان قربان کرنیکو کچھ بھی مشکل نہ سمجھتے تھے لیکن برخلاف اس کے یسوع کے مریدوں کو ایسا موقعہ ہی نہیں ملا کہ وہ اس کی کامل راستبازی پر پورا یقین حاصل کریں اور اسی لئے جب ذرا سی تکلیف یسوع کو پہونچی تو بعض نے اسے پکڑوا دیا بعض نے لعنت بھیجی اور باقی سب بھاگ گئے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو کامل یقین صحابہ کو آنحضرت کی راستبازی کی نسبت تھا۔ اس کا عشر عشیر بھی یسوع کے مریدوں کو یسوع کی نسبت حاصل نہیں ہوا ان کی یہ کمزوریاں جنکا ذکر اناجیل میں موجود ہے ان کی ایمانی کمزوریوں کی وجہ سے تھیں۔ یہاں ہم پادری مانزو سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر یہی واقعات جو یسوع کی نسبت انجیلوں میں لکھے ہیں کسی اور نبی کی نسبت ہوتے تو اس کے حق میں وہ کیا کیا عیب جوئی کرتا اس جواب دینے وقت مانزو کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یسوع کے ہمعصروں کی رائے یسوع کی نسبت کیا تھی اور اس آیت کا بھی مطالعہ کرنا چاہئیے جہاں انجیل میں لکھا ہے کہ یسوع کے ہمعصر اسے شرابی اور گنہگاروں یعنی کنجریوں کا دوست کہتے تھے +

دوسرا موقعہ جہاں پادری مانزو کے نزدیک آنحضرت کا کوئی گناہ بیان کیا گیا ہے آیت ذیل ہے۔ اِنَّآ اَنزَلنَآ اِلَیکَ الکِتٰبَ بِالحَقِّ لِتَحکُمَ بَینَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىکَ اللّٰهُ وَلَا تَکُن لِّلخَآئِنِینَ خَصِیمًا (سورہ نساء) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تیری طرف اتاری ہے تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس طرح فیصلہ کرے جس طرح خدا تجھے دکھاتا ہے اور دغا بازوں کی طرف سے جھگڑنے والا کبھی مت بنو + شاید ناظرین حیران ہوں کہ پادری مانزو اسی آیت سے آنحضرت کا کوئی گناہ ثابت کرنا چاہتے تھے۔ مگر یہاں کسی گناہ کا ذکر نہیں۔ پادری صاحب کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت کو کہا گیا

ہے کہ دغابازون کیطرف سے جھگڑنیوالے مت بنو اس لئے ضرور ہے کہ پیغمبر صاحب کسی دغاباز کیلئے جھگڑتے ہون مگر ایسی دلیل پادری مانرد کی بے سمجھی ظاہر کرتی ہے جب خدائے تعالے کسی نبی کو کوئی حکم دیتا ہی تو اس سے منشاء یہ نہین ہوتا کہ وہ اس کی خلاف ورزی کرچکا ہے شاید اس بیہودگی کو پادری صاحب دوبارہ غور کرکے خود ہی سمجھ لین۔ پادری مانرد نے اپنے نزدیک کوئی فاضل مفسر ابھی مانا ہوا ہے جسکے پیچھے وہ بلا تحقیق چلتا ہے اور قرآن کے الفاظ پر کبھی غور نہین کرتا۔ اگر ان فاضل مفسرین نے جنکا حوالہ پادری مانرد دیتا ہے اپنی رائے بیان کی ہی تو جبتک اس کی معقولیت قرآن کے الفاظ سے نہ دکھائی جاوے وہ قابل تسلیم نہین ہو سکتی اور اگر وہ کسی روایت کی نقل کرتے ہین تو روایت کا صدق و کذب زیر بحث ہوگا۔ آیت مذکورہ بالا کی شان نزول کے متعلق ایک قصہ مختلف پیرایون مین بیان کیا گیا ہی اور اگرچہ ان مین سے کوئی روایت بھی حدیث کے اعلیٰ درجہ کے صحیح طبقہ مین سے نہین ہے لیکن وہ روایت جسے کسیقدر تسلیم کیا جاسکتا ہی وہی ہے جسے جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب لباب النقول فی اسباب النزول مین بیان کیا ہی اور وہ اس طرح پر ہے۔ ترمذی اور حاکم وغیرہما نے قتادہ بن نعمان سے روایت کی ہی کہ ہم مین سے کچھ لوگ تھے جنکو بنوابیرق کہتے تھے۔ بشر بشیر مبشر۔ اور بشیر ایک منافق آدمی تھا جو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتا تھا اور پھر ان شعرون کو دوسرون کیطرف منسوب کر دیتا تھا اور یہ لوگ اسقدر حاجتمند تھے کہ جاہلیت مین اور اسلام مین فاقہ تک ان کی نوبت پہونچی رہتی تھی۔ اور لوگون کا کھانا مدینہ مین کھجورین اور جو تھے۔ میرے چچا رفاعہ نے ایک بوجھ درمک کا خریدا اور اسکو ایک مکان مین رکھدیا جہان اس کے سلاح اور تلوار وغیرہ بھی تھے اس مکان مین نقب لگی اور طعام اور سلاح دونون چرائے گئے۔ صبح کو میرا چچا آیا اور کہا کہ ہمارے مکان مین نقب لگی ہی اور ہمارا طعام اور سلاح دونون چوری چلے گئے ہین پس ہمنے گھر مین تلاش شروع کی اور پوچھنے لگے تو ہمکو کہا گیا کہ رات کو بنوابیرق آگ جلاتے دیکھے گئے ہین اور ہمارا خیال ہی کہ وہ تمہارا ہی طعام تھا۔ بنوابیرق نے کہا کہ ہمارے خیال مین چور لبید بن سہل ہی اور یہ شخص ہم مین سے تھا جسکے متعلق صلاحیت اور اسلام بیان کیا جاتا تھا۔ جب لبید نے سنا تو اس نے تلوار کھینچ لی کہ مین اور چوری کرون۔ خدا کی قسم مین تم کو تلوار سے ہلاک کر دونگا ورنہ اس چوری کو کھولو۔ بنوابیرق نے کہا کہ ہمپر ملامت کرو ہم تمکو چور نہین کہتے پھر ہم گھر مین پوچھنے لگے۔ یہانتک کہ ہمین کوئی شک باقی نہ رہا کہ بنوابیرق نے ہی یہ کام کیا ہی میرے چچا نے مجھے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور آپکے پاس یہ ذکر کرو سو مین آنحضرت کے پاس گیا اور عرض کیا کہ اس طرح سے ہم مین سے کچھ اہل بیت

ہین جنہون نے میرے چچا کے مکان مین نقب لگا کر طعام اور ہتھیار نکال لئے ہین طعام کی تو اب ہمین حاجت نہین لیکن ہمارے ہتھیار ہمین واپس دیدین آپنے فرمایا کہ مین غور کرونگا۔ جب بنو ابیرق نے یہ سنا تو ایک آدمی کے پاس آئے جسکو اسیر بن عروہ کہتے تھے اور اس معاملہ مین اس کے ساتھ گفتگو کی پس چند آدمی اس مکان کے رہنے والون مین سے جمع ہو گئے اور کہا کہ یا رسول اللہ قتادہ بن نعمان اور اسکا چچا ہم مین سے چند آدمیونکو جو اہل صلاح اور مسلمان ہین چوری کا الزام لگاتے ہین اور انکے پاس کوئی دلیل یا ثبوت اس امر کا نہین ہے۔ قتادہ کہتا ہے پھر مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپنے فرمایا کہ کیا تو ان لوگونپر جنکو اہل صلاح اور مسلمان کہا جاتا ہے بغیر دلیل اور ثبوت کے چوری کا الزام لگاتا ہے مین واپس آیا اور اپنے چچا کو خبر دی اسنے کہا اللہ ہی مددگار ہے ابھی عرصہ نہ گذرا تھا کہ قرآن شریف کی یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتٰبَ الآیہ"

اب اس تمام قصہ مین سے پادری مانرو کو چاہئیے کہ وہ الفاظ پیش کرے جہان رسول خدا کے کسی گناہ کا ذکر ہے۔ جو کچھ آنحضرت نے کیا واقعات کے ماتحت وہ بالکل حق تھا۔ قتادہ نے اپنے دعوے پر کوئی دلیل پیش نہین کی اور نہ ہی وہ اپنے دعوے کو ثابت کر سکا کیونکہ جب آنحضرت نے اس سے ثبوت مانگا تو وہ خاموش ہو کر چلا گیا اور اسکے چچا نے بھی ثبوت اور شہادت ضروری سے مایوس ہو کر یہی کہا کہ اب اللہ ہی ہماری مدد کریگا۔ بحیثیت ایک جج کے آنحضرت قتادہ کا دعوے خارج کرنے مین بالکل حق پر تھے کیونکہ اسنے کوئی شہادت پیش نہین کی۔ جج کسی مقدمہ کا فیصلہ صرف شہادت کے رو سے ہی کر سکتا ہے اور اگر اسکے سامنے کوئی شہادت نہ ہو تو وہ دعوی کو خارج کر کے انصاف اور حق کی کاروائی کرتا ہے اگر در حقیقت ایسا فیصلہ ٹھیک نہو تو جج قابل الزام نہین بلکہ دعوی کرنیوالا قابل الزام ہے کہ کیون اسنے ضروری شہادت پیش نہین کی۔ اسلئے اگر آنحضرت کا ارادہ قتادہ کے خلاف فیصلہ کرنے کا تھا بھی تو بھی آنحضرت پر اسمین کوئی الزام نہین آسکتا۔ یہ کسقدر بیوقوفی ہے کہ یہ کہا جائے کہ چونکہ ثبوت کے نہونیکی وجہ سے آنحضرت ایک دعوے کو خارج کرنا چاہتے تھے اسلئے آپ گنہگار ہین۔ کیا کہین آپکو خدا نے یہ حکم دیا تھا کہ جس دعوے کی شہادت مدعی پیش نکرے اسکا فیصلہ مدعی کے حق مین دینا چاہئیے۔ انبیاء پر نکتہ چینی کی عادت نے پادری مانرو کو اس بیہودگی کیلئے مجبور کیا ہے ورنہ وہ منہ سے نکالنے سے پہلے ضرور اس بات کو سوچ لیتا۔

اگر آنحضرت قتادہ کے خلاف فیصلہ کر بھی دیتے تو وہ بالکل حق بجانب ہوتے کیونکہ جج کا کام صرف شہادت پیش کردہ پر غور کرنا ہے لیکن وحی الہی نے فی الفور آپ کو اطلاع دیدی کہ اگرچہ مدعی کے پاس ثبوت کوئی نہین

لیکن حق پر وہی ہے اس لئے آپنے اسی کے مطابق فیصلہ دیا جو اللہ تعالیٰ نے آپکو دکھایا تھا اور آپ دغاباز وںکی طرفدار کبھی نہین بنے نہ کبھی ایسا ارادہ کیا بلکہ یہ الفاظ کہ لَاتَکُنْ لِلْخَائِنِیْنَ خَصِیْمًا + آنحضرت کے دل کی اصلی حالت سے آگاہ کرتے ہین کہ وہ پاکدل کبھی دغابازونکا طرفدار ہو ہی نہین سکتا۔ اس طرح پر آیت مذکورہ بالا آنحضرت کے منہ مین یون ہوگی کہ خدا نے مجھپر حق کیساتھ یہ کتاب اتاری ہے تاکہ لوگون کے درمیان مین اسی طرح فیصلہ کرون جس طرح اللہ تعالیٰ مجھے دکھائے۔ اور مین کبھی بھی دغابازونکا طرفدار نہین ہونگا۔ ایک سمجھدار آدمی پادریون پر تعجب کریگا کہ کہان سے گناہ کا نتیجہ نکالا ہے + (باقی آئندہ)

اخبار اپی فینی

اور

مسلمانون کا اعتقاد دوزخ کے متعلق

مذہب عیسائی مین کفارہ کے بہانے سے جو آزادی دیگئی ہے وہ کبھی نہ کبھی کسی مسلمان کیلئے باعث ترغیب ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے تمام گناہون کو خون مسیح مین ڈبو کر بالکل لاپرواہ ہو جاوے۔ ایک شخص اخبار اپی فینی مین لکھتا ہوا۔ ۱۸ جولائی کے پرچے مین کہتا ہے کہ قرآن شریف کی یہ تعلیم ہے کہ تمام انسان خواہ نیک اور خواہ بد دوزخ کی آگ مین جلائے جائینگے اور اس سے کفارے کی ضرورت کا نتیجہ نکالا گیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن شریف کی اسی تعلیم نے پادری عماد الدین کے دلپر یہ اثر کیا تھا کہ اس نے اسلام کو چھوڑ کر عیسائی مذہب کو قبول کیا۔ چونکہ پادری صاحب مر چکے ہین اس لئے ہم اس وقت ان کی تبدیلی مذہب کے وجوہ کو ظاہر نہین کرتے مگر ہم حیران ہین کہ اگر بفرض محال یہ صحیح بھی ہو کہ مذہب اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ سب لوگ دوزخ کا مزہ چکھے بغیر نہ رہین گے تو کفارے کی سچائی اس سے کیونکر ثابت ہوسکتی ہے ان باتونکی کہ "ایک منجی ہمارے گناہ اٹھانے کیلئے بھیجا گیا" یا "خدا نے مسیح مین ہوکر دنیا سے صلح کی" عقلمندونکے نزدیک ایک دیوانے کی بڑ سے بڑھکر کیا وقعت ہوسکتی ہے۔ تعجب ہے کہ پادری صاحبان جب کفارے کی گفتگو شروع کرتے ہین تو کیسی آسانی سے عقل کو لات مار دیتے ہین اگر کسی مسلمان مفسر نے یہ بیان کیا ہے کہ ان کے ایمان کی قوت سے آگ انکے لئے ٹھنڈی کردیجاویگی تو اسپر اپی فینی کا نامہ نگار ہنستا ہے لیکن کفارے کے بے سروپا مسئلہ پر اسے کوئی اعتراض پیدا نہین ہوتا مذہب مین اس قسم کے اصول کہ ایک شخص آکر سب کے گناہ لے گیا اور سب کو فارغ کر گیا سخت نقصان دہ ہین اور بیقیدی کی زندگی کیطرف انسانکو مائل کرتے

ہین مگر افسوس تو یہ ہی کہ جب یہ لوگ اپنے آپ کو پاک نہین کر سکتے تو پھر اپنے مسیح مین خدا کو دوزخ مین بھیجنے سے دریغ نہین کرتے اگر یہ مان بھی لین کہ اسلامی تعلیم یہی ہے کہ سب لوگ دوزخ مین جاوینگے تو کیا یہ سچ نہین ہی کہ عیسائی تعلیم نے تمام آدمیون کے علاوہ اپنے خدا کو بھی دوزخ مین بھیجکر اسکو اور بھی بھیانک بنا دیا ہے۔ اگر پادری صاحبان یہ کہین کہ خدا گنہگارونکے بچانیکے لئے دوزخ مین گیا تو کیون جائز نہین کہ کوئی نیک آدمی اپنے گنہگار بھائیون کو بچانے کے لئے دوزخ مین جائے +

اب ہم اس قرآنی تعلیم کو دیکھتے ہین۔ ابتدا سے ہی اسلام مین کسی کا مذہب یہ نہین ہوا کہ راستباز نار جہنم مین جلائے جاوینگے آیت اِنْ مِنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا کو قرآن شریف کی اس دوسری آیت کے ساتھ ملاکر پڑھنا چاہئے جسمین لکھا ہی اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَھَا وَھُمْ فِیْ مَا اشْتَھَتْ اَنْفُسُھُمْ خٰلِدُوْنَ + لَا یَحْزُنُھُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَتَتَلَقّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ جسکا ترجمہ یہ ہی کہ یقیناً وہ لوگ جن کیلئے پہلے سے ہی ہمنے نیک بدلہ مقرر کر چھوڑا ہی وہ دوزخ سے بہت دور رہین گے۔ اس کی آہٹ تک بھی نہین سنین گے۔ اور ہمیشہ کیلئے ایسی زندگی بسر کرینگے جو انکے دل چاہتے تھے۔ یہ بڑی گھبراہٹ انکو غم مین نہ ڈالے گی اور فرشتے آگے سے ان کی ملاقات کرینگے"۔ کیا اس سے زیادہ صاف اور واضح الفاظ کی ضرورت ہی جن سے ثابت ہو کہ راستباز جہنم مین کبھی نہ جلائے جائینگے۔ اس آیت مین کئی باتین بیان کی گئی ہین۔ اول یہ کہ راستباز دوزخ سے بہت دور رہین گے اور اس لئے اسے دیکھین گے بھی نہین۔ دوسرے یہ کہ وہ اس کی آہٹ کو نہین سنین گے۔ تیسرے یہ کہ اسکے عذاب کو وہ محسوس نہین کرینگے پس جب یہ تینون باتین قرآن کریم کے صاف اور واضح الفاظ سے ثابت ہین تو پھر مفسرین کا اختیار ہے کہ اس آیت کو مدنظر رکھکر اس طرح پر آیت زیر بحث کی تفسیر کرین جو انکی رائے مین ٹھیک ہو۔ ان تشریحونکو یہ کہنا کہ یہ ایک سخت مشکل کو ٹالنے کیلئے کوششین ہین۔ معترض کی اپنی حماقت ہی۔ قرآن کریم کے معنے کرنے مین مدنظر رکھنا اس امر کا ضروری ہے کہ وہ معنے کسی دوسرے مقام کے مخالف نہ ہون۔ اب جب قرآن شریف صاف صاف کہتا ہی کہ راستباز نہ دوزخ کو دیکھین گے نہ اس کی آواز سنین گے نہ اسکا عذاب چکھینگے تو نیک نیت معترض کو چاہئے کہ اس مقام پر ٹھہر کر پہلے غور کرے کہ اسکا اعتراض کہانتک صحیح ہی۔ لیکن پادری صاحبان اعتراض کرتے وقت کبھی ایمانداری اور نیک نیتی سے کام نہین لیتے۔ وہ اپنے مذہب کے ہر ایک عیب کو چھپانے اور دوسرے مذاہب کو ناحق اعتراضات کا نشانہ بناتے ہین۔ ہم یہ نہین کہتے کہ انھین مفسرین کی ہر ایک رائے کو تسلیم کر لینا چاہی بلکہ قرآن شریف کے الفاظ پر پوری توجہ کرنی چاہئے اِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا کے معنون مین اگر کوئی مشکل انھین

نظر آتی تھی تو چاہیئے تھا کہ قرآن شریف کو پڑھکر دیکھتے پھر انہیں معلوم ہو جاتا کہ اس آیت کے معنی کسیصورت مین یہ نہین ہو سکتے کہ راستباز جہنم مین جلائے جاوینگے اگر معنے کرنیوالے کیلئے اس آیت مین ایک مشکل کا سامنا ہے تو یہ کونسی عجیب بات ہی کیا بائیبل ایسی مشکلات سے خالی ہی اگر نامہ نگار مذکور خیال کرتا ہی کہ واقعی بائیبل مین کوئی ایسی مشکل نہین تو جسقدر مثالین وہ چاہیگا ہم پیش کر دینگے لیکن یہ ہمنے بطریق تنزل مانا ہی کہ اس آیت مین کوئی خصوصیت سے مشکل ہی +

اب ہم اصل الفاظ آیت کو لیکر دکھاتے ہین کہ انکے معنو مین کوئی بڑی مشکل درپیش نہین - اِنۡ مِّنۡکُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا یعنی تم مین سے کوئی نہین جو اس مین (یعنی دوزخ مین) نہ جائے پس سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہی کہ اس جگہ مخاطب کون لوگ ہین کیا اس سے مراد ساری دنیا ہی - یا صرف بدلوگ یا صرف راستباز اور مومنین - ایپیفینی کے نامہ نگار کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ اس سے صرف راستباز ہی مراد ہین - چنانچہ وہ کہتا ہی کہ "دوزخ کیلئے جو لفظ اس آیت سے پہلے استعمال کیا گیا ہے وہ جہنم ہی جو مسلمان متکلمین کے نزدیک دوزخ کا وہ طبقہ ہے جہان مسلمانوں کو انکے گناہوں کے بدلے سزا بھگتنی ہوگی قبل اسکے کہ وہ جنت مین داخل ہون" پھر اس سے آگے اسکا بیان ہی کہ قرآن سات درجہ دوزخ کے بیان کرتا ہی لیکن خود اُس نے صرف چھ کے نام لئے ہین - امر واقع یہ ہی کہ یہ چھ نام یعنی جہنم - لظی - حطمہ - سعیر - جحیم - اور ہاویہ دوزخ کے ہی الگ الگ نام ہین اور قرآن شریف مین کہین نہین لکھا کہ یہ دوزخ کے طبقوں کے نام ہین جہان الگ الگ قسم کے کافر رکھے جائینگے - اس سے زیادہ چھ طبقونکے متعلق (ساتوین کا تو پادریصاحب نے نام ہی نہین لیا شاید وہ انہون نے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہی) ہم کچھ نہین کہنا چاہتے کیونکہ پادریصاحبان کبھی شرمندہ نہین ہونے خواہ کتنی دفعہ ثابت کیا جاوے کہ وہ قرآن شریف سے محض جاہل ہین اور نہ ہی سمجھ سوچکر اعتراض کرتے ہین - یہان ہماری غرض ناظرین کو اس امر کیطرف توجہ دلانیکی ہی کہ یہ عیسائی نامہ نگار بڑی چالاکی سے یہ بیان کرنا چاہتا ہی کہ اِنۡ مِّنۡکُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا مین جو حتمی وعید ہے اسمین صرف مسلمان ہی شامل ہین کیونکہ نام صرف جہنم کا لیا گیا ہی جو اسکے نزدیک مسلمانوں کیلئے مخصوص ہے اور باقی حصے جنمین اسکے نزدیک عیسائی - بت پرست - مجوسی یہودی منافق ہونگے - انکا یہان ذکر نہین کیونکہ ان طبقات کے یہان نام بھی موجود نہین ہین اسطرح پادریصاحب قرآن شریف سے ثابت کرتے ہین کہ خدا نے اسے اپنے اوپر لازم کر لیا ہی کہ وہ ہر ایک مسلمان کو ضرور ضرور دوزخ مین بھیجیگا البتہ کافرونکو دوزخ مین بھیجنا اس موکد طور پر اس نے اپنے اوپر لازم نہین کیا اس لئے شاید وہ چھوڑ دئے جاوین تو چھوڑ ہی دیئے جاوین - گویا نتیجہ پادریصاحب کے نزدیک یہ ہی کہ ہر ایک مسلمان ضرور دوزخ مین جائیگا اگرچہ کافر ان

مین سی بعض کے بیچ جانیکا امکان ہی۔ بھلا اس سی بڑھکر بھی کوئی کافرون کیلئے اسلام مین داخل ہونیکے واسطے تحریص ہوسکتی تھی۔ پادری ڈبلیو جی صاحب سب سے لائق پادری ہی جو کبھی ہندوستان مین آیا ہو۔ اگر آج یہ پادری صاحب جو اپنی قوم کیلئے جائی فخر ہین ہندوستان مین نہ ہوتے تو یہ عظیم الشان فتح عیسائی مذہب کو اسلام پر کسطرح حاصل ہوسکتی۔ پادریصاحبان کیلئے اس شخص کا وجود اس زمانہمین غنیمت ہی اور اپنی اس خوش قسمتی پر کہ انکے درمیان ایسا آدمی موجود ہی وہ جتنا ناز کرین کم ہے +

یہ تو ہین اپی فینی کے نامہ نگار کے توہمات۔ قرآن شریف کو دیکھتے ہین تو اس سے صاف پتہ لگتا ہی کہ اس آیت زیر بحث مین اسکے مخاطب کون لوگ ہین۔ چند آیتین پیچھے یہ آیت ہے۔ وَيَقُولُ الْإِنسَانُ ءَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا + "اور انسان کہتا ہی کہ کیا جب مین مرجاؤنگا تو اسکے بعد پھر زندہ کرکے اٹھایا جاؤنگا" مگر ہر ایک انسان تو یہ نہین کہتا۔ آنحضرت اور آپکے صحابہ تو یہ نہ کہتے تھے پس الانسان سی یہان مراد یوم البعث کا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہی۔ چنانچہ اسکے بعد فرماتا ہے "قسم ہی تیرے رب کی کہ ہم ان (منکرین) کو اور شیطانونکو (جنہون نے انہین گمراہ کیا) اکٹھا کرینگے پھر انکو دوزخ کے گرد گھٹنونکے بل حاضر کرینگے۔ پھر ہم ہر فرقہ مین سے جدا کرینگے جونسا انمین ہی سخت اکڑ رحمان سی رکھتا تھا۔ پھر ہمکو خوب معلوم ہین وہ لوگ جو اس مین جلائے جانیکے زیادہ قابل ہین (یعنی جیسا جیسا کوئی رحمان سی زیادہ اکڑبازی کریگا ویسی ہی سخت سزا اسکو دیجاویگی)" اسکے بعد وہ آیت آتی ہی یعنی اِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا جو زیر بحث ہی اور پہلی آیتین صاف بتارہی ہین کہ یہان مخاطب وہی لوگ کئی گئے ہین جن کا پہلے بطور غائب کے ذکر ہے۔ وہی لوگ جنکی نسبت قرآن شریف پہلی آیت مین کہہ چکا ہی کہ انکو گھٹنونکے بل دوزخ کے گرد اکٹھا کیا جاویگا اور یہ منکرین اور شیاطین کا گروہ ہی۔ انہین کو یہ کہا جاتا ہی کہ جسطرح وہ انکار پر سختی سی قائم ہین ویسا ہی یقینی اور مضبوط امر یہ ہے کہ وہ قیامت کو اٹھائے جاوینگے اور انکو انکے بداعمال کی سزا دیجاویگی۔ پس یہ حتمی وعید عذاب کا بھی انہین لوگونکے لئے ہی +

اب چند اعتراضونپر جو ان معنونپر کئے جاتے ہین غور کرنا باقی ہی ان معنونکی تردید مین کہا جاتا ہی کہ اسکے بعد یہ آیت ہی ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا جسکے معنی یہ کئے جاتے ہین کہ اسکے بعد ہم متقیونکو چھوڑ دینگے اور نتیجہ یہ نکالا جاتا ہی کہ اس لئے متقی بھی دوزخ مین رہ چکے ہونگے تو ہی یہ الفاظ انپر صادق آسکتے ہین مگر اسجگہ ثم کے معنی کرنیمین غلطی کیجاتی ہی۔ ثم کے معنی ہمیشہ یہی نہین ہوتے کہ ایک واقعہ جو دوسرے واقعہ سی بعد ہوا اسی کیساتھ ثم لگایا جاتا ہی بلکہ ایک بالکل نیا ذکر بھی جو ترتیب مین پیچھے نہین ہوتا ثم سے شروع کردیا جاتا ہی اسکی مثال سورہ انعام مین موجود ہی

آنحضرت کا ذکر کرتے کرتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہی۔ ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ کوئی سمجھدار آدمی اسکے یہ معنی نہین کریگا کہ اسکے بعد (یعنی آنحضرت کے بعد) ہم نے موسیٰ کو کتاب دی۔ بلکہ یہان صاف معنی یہ ہین کہ اب ہم ایک نیا ذکر شروع کرتے ہین کہ ہمنے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی یا جیسا کہا جاتا ہی کہ اور سنو۔ ایسا ہی اس جگہ بھی ہی۔ لفظ ثُمَّ سی بھی یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ وہ عذاب مین گرفتار ہو چکی ہونگے اور پھر انکو نجات دیجاویگی بلکہ اسکے معنی صرف یہ ہین کہ انکو دوزخ سی بچایا جاویگا۔ قرآن شریف مین اسکی مثالین موجود ہین جب فرشتے لوط کے پاس آتے ہین تو وہ کہتے ہین اِنَّا مُنَجُّوكَ وَاَهْلَكَ اسکا یہ مطلب نہین کہ تھوڑے سی عذاب مین تمکو گرفتار کرکے اسکے بعد چھوڑ دینگے بلکہ یہ کہ ہم اس عذاب سے جو مجرمین پر آنیوالا ہی تمکو بالکل بچا لینگے ایسا ہی ان الفاظ سی کہ وَنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا "اور ظالمون کو اسکے اندر ہم گھٹنونکے بل چھوڑ دینگے"۔ یہ نتیجہ نکالنا کہ متقی گھٹنونکے بل دوزخ مین نہین چھوڑے جاوینگے اور پھر ان الفاظ سی یہ مطلب نکالنا کہ وہ دوزخ مین ڈالکر نکالے جاوینگے اور اس طرح پر نہ چھوڑنے کا لفظ انپر صادق آئیگا۔ محض خیالات اور توہمات ہین۔ حق بات یہ ہی کہ اسجگہ متقیون اور ظالمون کا ذکر پہلو بہ پہلو کرکے انکی حالتون کا مقابلہ کیا گیا ہے کہ ایک گروہ متقیون کا ہی جو نجات پائیگا اور دوسرا گروہ ظالمونکا ہی جو گھٹنونکے بل دوزخ مین چھوڑا جاوے گا۔ اسکی مثالین بھی بکثرت قرآن شریف مین موجود ہین چنانچہ اسی سورۃ مین آگے چلکر فرماتا ہے۔ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا۔ اسدن ہم متقیون کو رحمٰن کے پاس مہمانونکی طور پر اکٹھا کر لاوینگی اور مجرمونکو جہنم کیطرف پیاسے ہانک لیجاوینگے"۔ ایسا ہی سورہ زمر مین فرماتا ہی۔ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا... وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا۔ اور کافر جہنم کیطرف گروہ کے گروہ کرکے ہانکے جاوینگے اور راستباز جنت کیطرف گروہ کے گروہ کرکے بلائے جاوینگے"۔ یہان بھی وہی مقابلہ متقیون اور کافرونکا دکھایا گیا ہی جو آیت زیر بحث کی مابعد کی آیت مین ہے۔ ان سب آیتون مین یہ صاف طور پر دکھایا گیا ہے کہ متقی اور کافر دو مختلف سمتون مین چلائے جائینگے ایک جنت کیطرف اور دوسرے جہنم کیطرف ✝

بالآخر ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہین کہ اگر خطاب اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا مین کل دنیا کو ہو تو وہ معنی جو محقق مسلمان مفسرین نے کئے ہین انمین کسی اعتراض کی گنجائش نہین۔ یادریصاحبانکو ہم یہ نصیحت کرتے ہین کہ وہ قرآن شریف پر ذرا زیادہ غور کرنیکی عادت ڈالین اندھا دھند اعتراض کرنیسے آخر انھین خود ہی شرم اٹھانی پڑتی ہی یہ بھی انھین سمجھ لینا چاہئے کہ ان تک بازیونسی کفارہ کا مسئلہ حل نہین ہو جاویگا۔ انکو چاہئے کہ اگر وہ واقعی سچائی کی طالبونکی لئے کفارہ کے مسئلہ کے سمجھنے کیلئے کوئی راہ کھولنا چاہتے ہین تو اسے عقلی دلائل کے ساتھ پیش کرین ✝